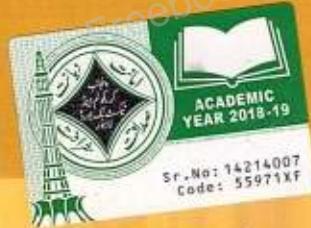
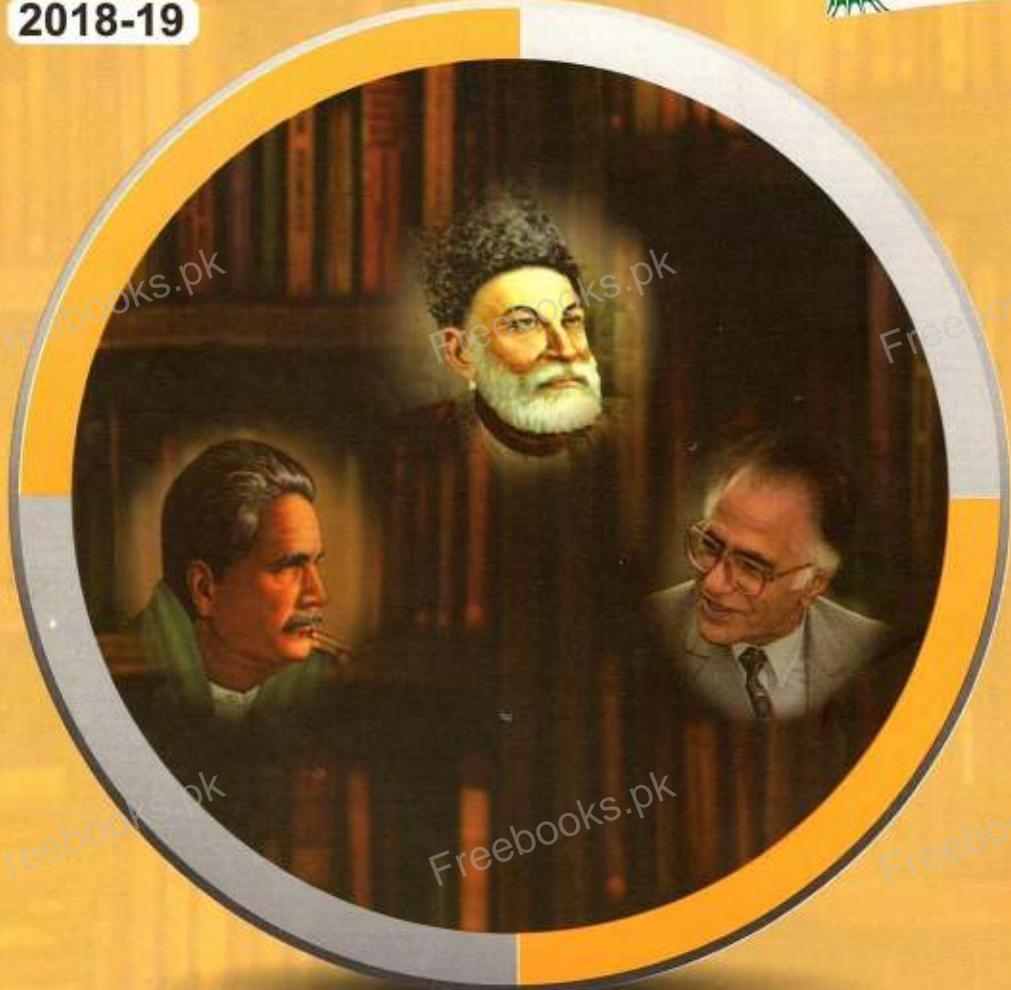




سُر مائیہ اُرڈو



2018-19



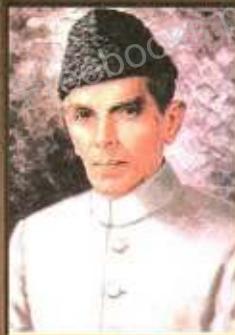
پنجاب کریکولم اینڈ شیکست بک بورڈ، لاہور



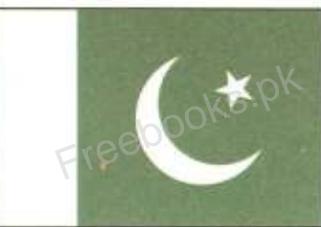
More books

”تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوامِ عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا نام و نشان ہی صفحہ ہستی سے مت جائے۔“

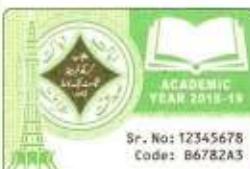
قاںدو عظیم محمد علی جناح، بنی پاکستان
(26 ستمبر 1947ء۔ کراچی)



قومی ترانہ



پاک سرزمین شاد باد رکشور حسین شاد باد
تو نیشن عزم عالی شان ارض پاکستان
مرکز یقین شاد باد پاک سرزمین کا نظام قوتِ اخوتِ عوام
قوم ، نلک ، سلطنت پاینده تاینده باد
شاد باد منزل مراد پرچم ستارہ و بلال
ترجمانِ ماضی ، شانِ حال جانِ انتقال
سایہ خدائے ذوالجلال



جعلی کتب کی روک تھام کے لیے بخوبی کیوں ایڈنچسٹ بک بورڈ، لاہور کی دری کتب کے سروہن پر مستطیلیں ٹھکل میں ایک ”حفاظتی نشان“ چھپاں کیا گیا ہے۔ ترچھا کر کے دیکھنے پر اس نشان میں موجود موجود..

رنگ، بزرگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موجود گرام کے تینے موجود موجود..

”PCTB“ لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ تصدیق کے لیے ”حفاظتی نشان“ پر دیے گئے کوڈ کو ”8070“ پر SMS کر کھانا خالی تھام کریں۔ اسی طرح ”PCTB(Space)Code No.“ کو SMS کر کھانا خالی تھام کریں۔ اگر SMS کے جواب میں ”حفاظتی نشان“ پر درج ہری نمبر موجود ہو تو کتاب اصلی ہے۔ دری کتب خریدتے وقت یہ ”حفاظتی نشان“ ضرور دیکھیں۔ اگر کسی کتاب پر نیشن میں موجود نہ ہو یا اس میں رذو بدیں کیا آیا ہو تو اسی کتاب پر گز نہ خریدیں۔

سرمایہ اردو

(اردو لازمی)

گیارھویں جماعت کے لیے



پنجاب کریم اینڈ شیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹکسٹ بک بیوڈلہ لاہور محفوظ ہے۔
 تیار کردہ: پنجاب کریکولم اینڈ ٹکسٹ بک بیوڈلہ لاہور
 منظور کردہ: قومی ریویو میشن، وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد
 اس کتاب کا کوئی حصہ اقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیکسٹ پیپر،
 گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا المادوی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مولفین

محمد زبیر ساہی

پروفیسر ایاز اصغر شاہین

ڈاکٹر محمد خان اشرف

مدیران

پروفیسر افتخار الدین سہیل

پروفیسر حفیظ صدقی

نگران

ڈاڑھیکٹر مسودات: ڈاکٹر مبین اختر

سینئر آرٹسٹ /ڈپٹی ڈاڑھیکٹر گرافس: مسز عائشہ وحید

طبع: اسحاق لفڑیں - لاہور

ناشر: جمال بک ڈپٹ

تاریخ اشاعت	طباعت	الیڈیشن	تعداد اشاعت	قیمت
اپریل 2018ء	اویل	35	15,000	51.00

حصہ نظر

1	سید سلیمان ندوی	1 اسوہ حسنة صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
6	سر سید احمد خاں	2 اپنی مدد آپ
10	مولانا الطاف حسین حالی	3 سر سید کے اخلاق و خصال
16	حیدر عسکری	4 ابو القاسم زہراوی
20	پریم چند	5 ادیب کی عزت
28	غلام عباس	6 اوورگوٹ
35	احمد ندیم قاسی	7 سفارش
40	ہاجرہ سرور	8 چراغ کی لو
45	مرزا اسد اللہ خاں غالب	9 مکتوبات غالب
48	علامہ محمد اقبال	10 مکتوبات اقبال
51	پروفیسر احمد شاہ بخاری پٹرس	11 لاہور کا جغرافیہ
57	شفعی عقیل	12 دوستی کا پھل
64	اہن انشا	13 کیا واقعی دنیا گول ہے؟
67	مختار احمد یوسفی	14 اور آنا گھر میں مرغیوں کا

حصہ نظم

73	(امیر احمد) امیر ممتازی	1 حمد
74	ماہر القادری	2 نعت
76	نشیرا کبر آبادی	3 تسلیم درضا
78	میرانسی	4 میدان کربلا میں سعی کا مظہر

80	مولانا ظفر علی خاں	مستقبل کی بحث	5
82	اختر شیرانی	برسات	6
84	حافظ جانداری	ہلال استقلال	7
86	علام محمد اقبال	خطاب بہ جوانان اسلام	8
87	علام محمد اقبال	پیغام	9
89	سید محمد جعفری	ایپریٹ کٹ آرٹ	10
91	مرزا محمود صدی	قطعات	11
93	دلاور فکار	لوکل بس	12
95	مست توکلی (ترجمہ: طارق قریشی)	وحدائیت	13

حصہ غزل

- 1 جس سر کو غرور آج ہے ، یاں تاج دری کا
گل کو ہوتا صبا ! قرار اے کاش ! میر تقی میر
- 2 ہوائے دور منے خوش گوار ، راہ میں ہے حیدر علی آتش
یہ آزو تھی ، تھے گل کے روپو کرتے حیدر علی آتش
- 3 پھرے راہ سے وہ ، پہاں آتے آتے میرزا خاں داغ
خاطر سے یا لحاظ سے ، میں مان تو گیا میرزا خاں داغ
- 4 اثر اس کو ، ذرا نہیں ہوتا موسیٰ خاں موسیٰ
ٹھانی تھی دل میں ، اب نہ ملیں گے کسی سے ہم موسیٰ خاں موسیٰ
- 5 بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برا بر یاد آتے ہیں حضرت مولیٰ
- رسم جفا کامیاب ، دیکھیے کب تک رہے حضرت مولیٰ
- 6 نہ گنواد ناواک شم کش ، دل ریزہ ریزہ گنوادیا فیض احمد فیض
کب یاد میں تیراس تھیں ، کب ہات میں تیراہات نہیں فیض احمد فیض
- 7 کچھ غلط بھی تو نہیں تھا ، مرا تجا ہوتا احمد ندیم قاسی
اُب تو کچھ اور ہی ، اعجاز دکھایا جائے احمد ندیم قاسی

فرہنگ

اُسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خدا کی محبت کا اہل اور اس کے پیار کا مسحت بننے کے لیے ہر مذہب نے ایک ہی تمدیر بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مذہب کے شارع اور طریقے کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، ان پر عمل کیا جائے، لیکن اسلام نے اس سے بہتر تمدیر اختیار کی ہے۔ اس نے اپنے پیغمبرؐ کا عملی محسوس سب کے سامنے رکھ دیا ہے اور عملی حصے کی پیروی اور اتباع کو خدا کی محبت کا اہل اور اس کے پیار کا مسحت بننے کا ذریعہ بتایا ہے۔ چنان چہ اسلام میں دو چیزیں ہیں، کتاب اور سنت۔ کتاب سے مراد خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعے سے ہم تک پہنچ ہیں اور سنت جس کے لغوی معنی راستے کے ہیں، وہ راستہ کہ جس پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے یعنی آپؐ کا عملی نمونہ جس کی تصاویر احادیث میں پر صورت الفاظ درج ہیں۔ غرض یہ کہ ایک مسلمان کی کامیابی اور تحفیل روحانی کے لیے جو چیز ہے وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقة اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صفت انسانی سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس دنیا کی بینا دا اختلاف عمل پر ہے۔ باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعے سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ یا رئیس، جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور حکوم، مطیع اور فرمائی بردار رعایا بھی، امن و امان کے قیام کے لیے قاضیوں اور جوں کا ہوتا بھی ضروری ہے اور فوجوں کے پسہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی، رات کے زاہد و عابد بھی ہیں اور دن کے سپاہی و مجاہد بھی، اہل و عیال بھی ہیں اور دوست احباب بھی، تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام اور پیشوائی بھی۔ غرض اس دنیا کا ظلم و نسق مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لیے عملی حصے اور نمونے کی ضرورت ہے۔ اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی دعوت دیتا ہے۔

انسانوں کے ہر طبقے اور صنف کے لیے یہ راست پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نصیحت پذیری اور عمل کے لیے درس اور سبق موجود ہے۔ ایک حاکم کے لیے حکوم کی زندگی، ایک دولت مند کے لیے غریب کی زندگی اور ایک غریب کے لیے دولت مند کی زندگی کا مثال مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ عالم گیر اور دائی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو۔ ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاتے بھی، بہنے بھی ہیں روتے بھی، پہننے بھی ہیں اتارتے بھی، سیکھتے بھی ہیں سکھاتے بھی، مرتے بھی ہیں مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی ہیں۔ اپنی جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی، عبادت و دعا بھی کرتے ہیں اور کار و بار بھی، مہمان بھی بننے ہیں اور میزبان بھی۔ ہمیں ان تمام امور، جو ہمارے مختلف افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں، کے لیے عملی نمونے کی ضرورت ہے جو ہر قسم حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی کا درس دے۔

علاوہ ایسیں وہ افعال جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے اور جن کی تعبیر ہم اعمال قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں۔ ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل، جذبے یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہم کبھی راضی ہیں، کبھی ناراض کبھی خوش ہیں کبھی غم زدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور کبھی غمتوں سے مالامال، کبھی ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اخلاقی فاضل کا تمام تراخصار اخنی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے، ان سب کے لیے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے۔

عزم واستقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا، تقدیر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، استغنا، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، مکنت، تشیب و فراز، بلند پست، تمام اخلاقی پہلوؤں کے لیے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہمیں عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے جو صرف پیغمبر اسلامؐ کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔

غرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طالب انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہوتو ملے کے تاجر اور بزرگین کے خرزیدہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہوتو شعب ابی طالب میں محصور اور مدینے کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہوتو سلطانِ عرب کا حال پڑھو۔ اگر رعایا ہوتو قریش کے حکوم کو ایک نظر دیکھو۔ اگر فتح ہوتو بدر و حسین کے پس سالار پرنگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو مرکہ احمد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم استاد اور معلم ہوتو صدقہ کی درس گاہ کے معلمِ قدس کو دیکھو۔ اگر شاگرد ہوتا روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جھاؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہوتو مسجدِ مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تجھائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی مہاذی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو ملے کے بے یار و مددگار بخی کا اسوہ حتمحصارے سامنے ہے۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور خالقوں کو کم زور بنا لے چکے ہو تو فتنے مکہ کا تھارہ کرو۔ اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نقش درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نصیر، خیبر اور فردک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نقش کو دیکھو۔ اگر سفری کاروبار میں ہوتا بھڑکی کے کاروبارِ سالار کی مثالیں ڈھونڈو۔ اگر عدالت کے قاضی اور پنچایت کے ثالث ہو تو کبھی میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حرج اسود کو کبھی کے ایک کونے میں نصب کر رہا ہے۔ مدینے کی کبھی مسجد کے گھن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظرِ انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برادر تھے۔ اگر تم یہوں کے شوہر ہو تو خدیجہ و عائشہ کے شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن و حسین کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمھاری زندگی کے لیے نمونہ، تمھاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، تمھارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا فرود ہمایوں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامیعت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہندو مسلم سکتا ہے۔ اس لیے طبقہ انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے ہر مثالیٰ کے لیے صرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔

ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صفت انسانی کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو، وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالم گیر اور داعیٰ رہنمائی کا کام سرانجام دے، جو غیظ و غضب اور رحم و کرم،

بود و سخا اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور رحم دلی، رفیق الحقیقی، دنیا اور دین دونوں کے لیے ہمیں اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کر دے، جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی اور اس آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دے اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد و قوانین اور دستور اعلیٰ کو اپنی زندگی میں برداشت کر دکھادے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک ایک آفتابِ عالم تاب تھا جس سے اوپھے پہاڑ، رستے میدان، بہتی نہریں، سربرز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا بارہ باراں تھا، جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر کنگرا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہوا تھا، قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول اور پتے جنم رہے تھے اور اُگ رہے تھے۔

بادشاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا حکوم، قاضی ہو یا گواہ، افسر ہو یا سپاہی، استاد ہو یا شاگرد، عابدو زاہد ہو یا کاروباری، عازی ہو یا شہید، تو حید کا نور، اخلاص کی رو، قربانی کا ولولہ، خلق کی ہدایت اور اہمیت کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا۔ وہ جو کچھ بھی ہو، جہاں بھی ہو، یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برا بر تھا۔ راستوں، رنگوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا اور قبلہ ایک تھا۔ ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی اور ان کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔

یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور داعی اور عالم گیر را پہنچنیں ہو سکتا۔ اس لیے اعلان فرمایا کہ:

”اگر تمھیں خدا کی محبت کا دعویٰ ہے، تو آؤ میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔“

(خطبات مدراس)

مشق

1- سبق ”آسوہ حسنة“ کی روشنی میں مندرجہ ذیل جملے تکملہ کریں:

- اسلام میں دو چیزیں ہیں، کتاب اور.....
- مسلمان کی کامیابی اور تحمل روحانی کے لیے جو چیز ہے وہ..... ہے۔
- اس دنیا کی بنیاد..... عمل پر ہے۔
- اسلام تمام انسانوں کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے..... کی دعوت دیتا ہے۔
- ہمیں عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے جو صرف..... کی سوائی میں مل سکتی ہے۔
- ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور..... کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہر دم مل سکتا ہے۔
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک ایک آفتاب..... تھا۔
- یہ فیضان حق سب میں..... اور برا بر تھا۔

- سینق "اسوہ حسن" کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے درست جواب کے شروع میں (✓) لگائیں۔
- i- خدا کی محبت کا اہل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لیے اسلام نے:
- ل- احکام الٰہی سب کے سامنے رکھ دیے ہیں۔
 - ب- انبیا کی حیات سب کے سامنے رکھ دی ہے۔
 - ج- اپنے بیخبر کا عملی مجسم سب کے سامنے رکھ دیا ہے۔
 - د- خلفاء راشدین کا اسوہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے۔
- ii- ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیلِ روحانی کے لیے جو چیز ہے:
- ل- وہ سنت نبوی ہے
 - ج- وہ اسوہ صاحب ہے
 - iii- اس دنیا کی بنیاد ہے:
 - ل- اختلاف عمل پر
 - ج- اجتماعی عمل پر
- iv- مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو اگر:
- ب- دولت مند ہوتا
 - ج- جوان ہوتا
- v- فارج مکہ کا نظارہ کرو اگر تم:
- ل- دشمنوں اور مخالفوں کو کم زور بنا لے چکے ہو۔
 - ج- دشمنوں اور مخالفوں کو مطیع بنا لے چکے ہو۔
- سینق اسوہ حسن کو مد نظر رکھ کر کالم الف سے قائم کریں اور جواب کالم ج میں لکھیں:

کالم ج	کالم ب	کالم الف
خانہ کعبہ	سنت	
مسجد	محصور	
صفہ	جری اسود	
شعب الی طالب	استاد اور معلم	
راستہ	واعظ	

- 4- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب سینق کے متن کے مطابق تحریر کریں جو زیادہ سے زیادہ تین سطور پر مشتمل ہوں۔
- i- سنت نبوی سے کیا مراد ہے؟
- ii- کتاب سے کیا مراد ہے؟
- iii- خدا کی محبت کا اہل کیسے بن جا سکتا ہے؟

- iv۔ اسلام تمام انسانوں کو کس کی اجاتع کی دعوت دیتا ہے؟
- v۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کن کے لیے ہدایات کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے؟
- 5۔ درج ذیل اقتباسات کی تشریح سیاق و سبق کے حوالے سے کریں:
- ”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک ۔۔۔ جرم رہے تھے اور اگر رہے تھے۔“
”بادشاہ ہو یا گدا ۔۔۔ پیش نظر نہ تھی“
- 6۔ مولا ناشیلی نہمانی ”اور سید سلیمان ندویؒ کی مرتب شدہ سیرت النبیؐ کا مطالعہ کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت و دیانت کا ایک واقعہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔
- امتحانی نقطہ نگاہ سے عبارت کی تشریح کا سوال تین اجزاء کا حال ہوتا ہے: جواہ متن، سیاق و سبق اور تشریح۔ جواب دیتے ہوئے تینوں اجزاء میں مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا جائے۔

حوالہ متن:

اقتباس کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ کس سبق کا حصہ ہے اور سبق کے مصنف کا نام کیا ہے۔

سیاق و سبق:

سیاق و سبق دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مثالی، دوسرا اجمالی۔ وہ سیاق و سبق مثالی ہے، جو اقتباس کا موقع و محل بتائے یعنی اقتباس سے پہلے اور بعد کے مقامات کا ذکر کرے۔ ایسا مثالی سیاق و سبق اس وقت آسانی سے لکھا جاسکتا ہے، جب اقتباس ایسے سبق میں سے لیا گیا ہو جس میں کہانی کا عصر موجود ہو۔ دوسرا اجمالی سیاق و سبق ہے جو اقتباس سے متعلقہ سبق کے اہم نکات کو بالترتیب مختصرًا بیان کر دے۔ اجمالی سیاق و سبق ان اسباق کی ضرورت بن جاتا ہے جن میں کہانی کا عصر نہ پایا جاتا ہو۔ لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ ائمہ کے امتحان میں ہر دو قسم کے سیاق و سبق کی طوالت آٹھ سے بارہ سطور کے درمیان رانی چاہیے۔

تشریح:

عبارات کی تشریح کا مقصد طلبہ کی اس صلاحیت کو جانچتا ہے کہ وہ عبارات کی تفہیم اور وضاحت کی کس قدر الیت رکھتے ہیں اور مطالب عبارت کو اپنے الفاظ میں کس قدر خوبی سے سمجھا سکتے ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ مشکل الفاظ و تراکیب کے معانی اور تبادل لکھیں پھر متعلقة عبارت میں پیش کیے گئے خیالات اور مثالیں (اگر ہوں) کی وضاحت ترتیب دار کرویں۔ ایسا کرتے ہوئے تشریح عموماً اصل عبارت سے تین گناہو جانی چاہیے لیکن تشریح کرتے ہوئے سبق کی حدود میں رہنا بہر حال ضروری ہے۔

اپنی مدد آپ

خدا آن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں۔

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے نظرے میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی مدد کرنے کا جوش اس کی بھی ترقی کی بنیاد ہے اور جبکہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں یا بیجا وے تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔ جبکہ کسی شخص کے لیے یا کسی گروہ کے لیے کوئی دوسرا پکھ کرتا ہے تو اس شخص میں سے یا اس گروہ میں سے وہ جوش اپنی آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے اور ضرورت اپنی آپ مدد کرنے کی اس کے دل سے ملتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ غیرت جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے اور اسی کے ساتھ عزت جو اصلی چک دک انسان کی ہے از خود جاتی رہتی ہے اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھیں ذلیل اور بے عزت ہو جاتی ہے۔

یہ ایک بیچر کا قاعدہ ہے کہ جیسا جمود قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے۔ یعنی اسی کے موافق اس کے قانون اور اسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی پنسال میں آ جاتا ہے، اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے اور جامل و خراب و ناتربیت یا فتنہ رعایا پر دیسی ہی اکھڑ حکومت کرنی پڑتی ہے۔

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت بہ نسبت وہاں کی گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اس ملک کی رعایا کے چال چلن، اخلاق و عادات، تہذیب و شاستگی پر محض ہے، کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا جمود ہے اور ایک قوم کی تہذیب درحقیقت ان مردوں عورتوں و بچوں کی شخصی ترقی ہے، جن سے وہ قوم بنی ہے۔

قوی ترقی جمود ہے، شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمان و ادراہی، شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزل جمود ہے شخصی سستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی، شخصی خود غرضی کا اور شخصی برائیوں کا۔ نا تہذیبی و بد چلنی جو اخلاقی و تمدنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے، درحقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ یہ ورنی کوشش سے ان برائیوں کو جز سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کر دیں، تو یہ برائیاں کسی اور نئی صورت میں اس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے۔

اے میرے عزیزِ ہم وطن! اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی بھی ہمدردی اور بھی خیر خواہی کرو۔ غور کرو کہ تحریک قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عمدہ ہو۔ تا کہ تم بھی ایک معزز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا، بات چیت کا وضع و لباس کا، سیر پاٹے کا، شغل اشغال کا، تحریک اولاد کے لیے ہے، اس سے ان کی شخصی چال چلن، اخلاق و عادات، نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی

جبکہ ہر شخص اور کل قوم خود اپنی اندر و فی الحالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے تو اس بات کی امید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے کس قدر افسوس بلکہ نادافی کی بات ہے۔ وہ شخص درحقیقت غلام نہیں ہے جس کو ایک خدا ناترس نے جو اس کا ظالم آقا کہلا دیا جاتا ہے خرید لیا ہے یا ایک ظالم اور خود مختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ درحقیقت وہ شخص اصلی غلام ہے جو بدانہ اخلاقی، خود غرضی، چہالت اور شرارت کا مطیع اور اپنی خود غرضی کی غلامی میں بنتا اور قومی ہمدردی سے بے پرواہ ہے۔ وہ قومیں جو اس طرح دل میں غلام ہیں وہ بیرونی زوروں سے، یعنی عمدہ گورنمنٹ یا عمدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں جب تک کہ غلامی کی یہ دلی حالت دور نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح و ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عمدہ انتظام پر محصر ہے، اس وقت تک کوئی مستقل اور برتاو میں آنے کے قابل تجہیز اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ گوئی یہ عمدہ تبدیلیاں گورنمنٹ یا انتظام میں کی جاویں، وہ تبدیلیاں فانوسی خیال سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں، جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، مگر جب دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔

انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خضر ملے، گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سب کام کر دے۔ اس کے یہ حقیقی ہیں کہ ہر چیز ہمارے لیے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو ہادی اور رہنمایا جاوے تو تمام قوم کی ولی آزادی کو برپا کر دے اور آدمیوں کو انسان پرست بنادے۔ حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش ہے اور اس کے نتائج انسان کو ایسا ہی حقیر بنادیتے ہیں جیسے کہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔

بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط جس سے زیادہ دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ جس وقت لوگ اس کو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاویں گے تو پھر خصروؤذ خونڈنا بھول جاویں گے۔ اور وہ پر گھرو سے اور اپنی مدد آپ، یہ دونوں اصول ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برپا کرتا ہے اور پہلا خود انسان کو۔

قومی انتظام یا عمدہ قوانین کے اجراء کی خواہش، یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے۔ سچا اصول وہ ہے جو وہم ڈرگن نے ڈبلن کی نمائش گاہ و دستکاری میں کہا تھا جو ایک برا خیر خواہ آرے لینڈ کا تھا۔

اس نے کہا کہ ”جس وقت میں آزادی کا الفاظ سنتا ہوں، اسی وقت مجھ کو میرے الٰہ اور میرے شہر کے باشندے یاد آتے ہیں۔ ہم اپنی آزادی کے لیے بہت سی باتیں سنتے آئے ہیں، مگر میرے دل میں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت، ہماری آزادی ہمارے اوپر محصر ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ہم محنت کیے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو اس سے زیادہ ہم کو کوئی موقع یا آنکدہ کی قومی توقع اپنی بہتری کے لیے نہیں ہے۔ استقلال اور محنت کا میابی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایک ولی ولو لے اور محنت سے کام کیے جائیں گے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تھوڑے زمانے میں ہماری حالت بھی ایک عمدہ قوم کی مانند آرام و خوشی و آزادی کی ہو جاوے گی۔“

انسان کی اگلی پشتون کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل و نسل کے کاموں

سے حاصل ہوئی ہے۔ مختی اور مستقل مزاج محنت کرنے والوں، زمین کے جوتنے والوں، کانوں کے کھونے والوں، تھی باتوں کے ایجاد کرنے والوں، مختی باتوں کو ڈھونڈ کر رکھنے والوں، آلاتِ جرثی سے کام لینے والوں اور ہر قسم کے پیشہ کرنے والوں، ہمدردوں، شاعروں، چیلوں، فیلسوفوں، مکمل منتظموں نے انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہنچانے میں بڑی مدد وی ہے۔ ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے اور اس کو ایک اعلیٰ درجے پر پہنچایا ہے۔ ان عمدہ کارگروں سے جو تبدیل و شائستگی کی عمارت کے معمار ہیں، لگاتا رہا یک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم و ہنر میں جو ایک بے ترتیب پیدا ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اس زرخیز اور بے بہا جائیداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے پرکھوں کی ہوشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی اور وہ جائیداد ہم کو اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثل مارسرخ اس کی خلافت ہی کیا کریں۔ بلکہ ہم کو اس لیے دی گئی ہے کہ اس کو ترقی دیں اور ترقی یافتہ حالت میں آئندہ نسلوں کے لیے چھوڑ جاویں۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہماری قوم نے ان پرکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بھی گرا دیا۔

ایک نہایت عاجز و مکین غریب آدمی جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پر ہیزگاری اور بے لگاؤ ایمانداری کی نظر رکھاتا ہے، اس شخص کا اس کے زمانہ میں اور آئندہ زمانے میں اس کے ملک، اس کی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن کو معلوم نہیں ہوتا مگر اور شخشوں کی زندگی میں خفیہ خیری پھیل جاتا ہے اور آئندہ کی نسل کے لیے ایک عمدہ نظر بنا جاتا ہے۔

ہر روز کے تجربے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی چال چلن میں یقوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور برداشت اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔

یہ علم وہ علم ہے، جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی علم سے عمل، چال چلن، تعلیم نفسی، نفس کشی، شخصی خوبی، قوی معنبوطی، قوی عزت حاصل ہوتی ہے۔ یہی علم وہ علم ہے کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے اور زندگی کے کاروبار کرنے اور اپنی عاقبت کے سوارنے کے لائق بنادیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اس کے علم کو باعمل، یعنی اس کے برداشت میں کر دیتا ہے۔ علم کے بہت عمل اور سوانح عمری کی پہبندی عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابلی ادب بناتا ہے۔

(مقالات سریڈ جلد چشم)

مشق

- "اپنی مدد آپ" کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے فقرہ جواب تحریر کریں جو تین سطور سے زیادہ نہ ہوں۔
- i- وہ کون سا آزمودہ مقولہ ہے جس میں انسانوں اور قوموں کا تجربہ مچ ہے؟
- ii- سریڈ کے خیال میں کون سی قوم ذیل و بے عزت ہو جاتی ہے؟
- iii- نیچر کا قاعدہ کیا ہے؟

سرسید کے اخلاق و خصال

دوستوں اور مہمانوں سے ان کا دسترخوان بہت کم خالی ہوتا تھا۔ جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا وہ کھانا کھاتے وقت بشاش نہ ہوتے تھے اور جس دن زیادہ مہمان ہوتے اس دن ان کے گھر عید ہوتی تھی۔ کھانوں میں زیادہ تر تعدد اور تلوان نہیں ہوتا تھا مگر کھانا عموماً عمدہ ہوتا تھا۔ اگر کسی موقع پر کھانا عمدہ نہیں ملتا تھا تو جیسا مل جاتا تھا خوشی سے، بغیر ناک منہ چڑھائے سیر ہو کر کھا لیتے تھے۔ فصل کی ترکاریاں اور فواکر خصوصاً آم اور خربوزے نہایت مرغوب تھے۔ ناہے کہ پہلے خوراک زیادہ تھی مگر بڑھاپے میں بہت گھٹ گئی تھی، البتہ بعد کھانا کھانے کے کوئی پاؤ پاؤ سیر دودھ دونوں وقت بلانامہ پی لیتے تھے۔

ظرافت اور خوش طبی ان کی بچپت میں داخل تھی مگر جس طرح ان کی اور باتوں میں بناؤٹ نہ تھی اسی طرح ظرافت اور خوش طبی میں مطلق تصنیع نہ تھا۔ تقریر میں، بات چیت میں جو لطفہ یا شوغی ان کو سمجھ جاتی تھی اگرچہ کیمی ہی شرم و حجاب کی بات ہوان سے ضبط نہ ہو سکتی تھی مگر ہر ایک امر کے بیان کرنے کا خدا نے ایسا سیقدی یا تھا کہ کوئی بات تہذیب کی حد سے متبازنہ ہونے پائی تھی۔

مطالعہ کی عادت ابتداء سے ان کی رفیق کا رہی۔ سرسید کا مطالعہ نہ صرف دل بہلانے یا عبارت کا لطف اٹھانے کے لیے ہوتا تھا اور نہ کتاب دانی کی غرض سے جیسا کہ مدرس اور طالبہ کتاب کے ایک ایک لفظ اور جملے اور تراکیب پر غائز نظر کرتے ہیں بلکہ ان کا مطلب صرف مصنفوں کے خیالات سے اطلاع حاصل کرنا ہوتا تھا۔ جو بات کتاب میں ان کے کام کی ہوتی تھی اس پر پہل سے نشان کر دیتے تھے اور اگر کوئی مصنفوں کی اخبار میں کام کا ہوتا تھا اس ورق کا لگ کر کے اپنے اخبار کی فائل میں جو ہر وقت سامنے رکھا رہتا تھا چیپاں کر دیتے تھے۔

خطلوں کا جواب دینے میں وہ نہایت فیاض تھے۔ جو خط پانی پت سے علی گڑھ بھیجا جاتا ہے اگر وہاں پہنچتے ہی اس کا جواب لکھا جائے تو تیرے دن وہاں سے جواب آ جاتا ہے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میرے خط کا جواب چوتھے دن آیا ہو یا بالکل نہ آیا ہو۔ جب کہ ان کا برستا وہم لوگوں کے ساتھ یہ تھا تو دیکھنا چاہیے کہ اپنے خاص دوستوں اور ہم سروں اور ہم ربہ لوگوں کے ساتھ کیسا ہو گا۔

محنت اور جفا کشی کی قابلیت بھی سرسید کے خاص اوصاف میں سے تھی۔ قطع نظر اس کے کہ ابتداء سے ان کو کام کرنے کی عادت رہی ان کے قوی میں قطرتا مشکلات کے برداشت کرنے اور کسی کام سے ہمت نہ بارنے کی لیاقت اور استعداد رکھی گئی تھی اور ظاہر اُن کی غیر معمولی ذہانت بھی ان کے دائی غور و فکر اور دماغی محنت کا نتیجہ تھی کیونکہ بچپن میں جیسا کہ خود سرسید کے بیان سے معلوم ہوا ہے وہ باعتبار ذہانت وجودت کے اپنے ہم چشموں میں کچھ زیادہ احتیاز نہ رکھتے تھے مگر بچونکہ انہوں نے اپنے تمام قوی سے جو خدا تعالیٰ نے ان کے نفس میں ودیعت کیے تھے پورا پورا کام لیتا اور اس لیے ان کے ذہن و حافظہ اور عقل سب کو جلا ہو گئی تھی۔

ولایت میں خطبات احمد یہ کے لئے میں انہوں نے ڈیڑھ برس برابر ایسی محنت شاقد کی جس سے آخر کار ان کے پاؤں میں ایک مرض پیدا ہو گیا جو خیر دم تک زائل نہیں ہوا۔ جس زمانے میں سائنسی فیک سوسائٹی کا مکان بنوار ہے تھے محنت گری کا موسم تھا۔ شام تک لوچی تھی اور پچھری سے آ کر خس کی ٹی اور پچھا چھوڑ کر سیدھے سوسائٹی پہنچتے تھے اور عصر اور مغرب کی نمازیں ویس پڑھتے تھے۔

وہ ہمیشہ جب کام سے خالی ہوتے تھے بُنی دل گلی اور دوستوں کی صحبت سے اپنے دل کو خوش کرتے تھے۔ بچوں سے، بوڑھوں سے، جوانوں سے، دوستوں سے، ملازموں سے، بُنی اور چھل کیے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ یہی زندہ دلی تھی جوان سے محنت کراتی تھی اور تکان اور ماندگی اور ملاں و کمال کو کبھی پاس نہ آنے دیتی تھی۔ بعض اوقات ان کے ماتحت یا ملازم جن سے بے تکفی تھی ان کو ایسا جواب دیتے تھے جس سے انہیں شرمندہ ہوتا چاہیے تھا گروہ بُنی برانہ مانتے تھے بلکہ خوب قبیلے گاہتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ غرضیدہ سر سید نے تباہ مقدمہ و رکھی رنج و غم کو پاس نہیں آنے دیا۔ یہ دون جات میں، آبادی میں، جنگل میں، جہاں کہیں ہوئے انہوں نے اپنی خوشی اور دل گلی کا کچھ سامان ضرور مہیا کر لیا۔ وہ اپنی باتوں سے نصف بڑوں کو بلکہ بچوں کو بھی تحسیر کر لیتے تھے، یہاں تک کہ جو وحشت بچوں کو بڑے بوڑھوں کی صحبت سے ہوتی تھی وہ ان میں باقی نہ رہی تھی۔

راست بازی اور وہ تمام اوصاف جو ایک راست باز آدمی میں ہونے ضروری ہیں، جیسے صدقی مودت، جمیت، دلیری اور آزادی وغیرہ اس شخص کی خصوصیات میں سے تھے۔ اس شخص نے اگرچہ پوچھیے تو اپنی آزادانہ تحریروں سے اردو لٹریچر میں آزادی اور سچائی کی نیادوں والی دی۔ اس نے لوگوں کو مجبور کیا کہ حق بات کہنے میں کسی کی طعن و ملامت سے نہ ڈریں۔ جو بات اس کو حق معلوم ہوئی، اس کے کہنے میں کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا کہ دنیا میں کوئی دوسرا شخص بھی اس بات میں اس کے ساتھ اتفاق کرنے والا ہے یا نہیں۔ سر سید کو کوئی بات اس سے زیادہ مشائق نہیں گزر تھی کہ ان پر راست بازی کے خلاف کوئی الزام لگایا جائے کہ یہ شخص فی الواقع راست بازی کو اپنادین و ایمان سمجھتا تھا۔ سر سید جیسے خود راست باز تھے اسی طرح راست بازوں کی دل سے قدر کرئے ہے۔ دوسرے محبت اور تلقفات کا مادہ سر سید میں معمولی آدمیوں سے بہت زیادہ تھا اور اسی لیے ان کے تمام تعلقات میں محبت کا ظہور بدرجہِ غایت پایا جاتا ہے۔

سر سید کو ہمیشہ اپنے کہنے کے ساتھ حد سے زیادہ لٹاؤ رہا ہے۔ بھائی کی موت کا صدمہ ان کو بیس برس نہیں بخولا۔ نہ ہے کہ ان کے عزمیز ان کے سامنے بھائی کا ذکر اس لیے نہیں کرتے ہیں کہ ان کا داغ تازہ ہو جائے گا۔ بہت مدت کے بعد ان کی بیٹیجی کے منہ سے باپ کا کچھ ذکر نکل گیا تھا۔ سر سید کی حالت ایسی متغیر ہو گئی کہ گویا آج ہی بھائی کا انتقال ہوا ہے۔ اپنی والدہ کے ساتھ جیسی ان کو واپسی تھی ایسی بہت ہی کم سُتی گئی ہے اور جیسی کہ وہ جوانی میں اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے اور ان کے غصے اور خفی کو برداشت کرتے تھے، اس طرح پچھے بھی اپنے ماں باپ کا کہا نہیں مانتے۔

اپنے وطن کے ساتھ ہر شخص کو عموماً افت و موانت ہوتی ہے۔ مگر سر سید کی محبت اپنے وطن کے ساتھ عجیب طرح کی تھی۔ گو بظاہر سر سید نے دلی ہمیشہ کے لیے چھوڑ دی تھی۔ ان کے آرٹیکلوں میں یا سچوں اور پچھروں میں یا پرائیوریٹ خطوطوں میں جہاں کہیں دلی کا ذکر آگیا ہے ان کا دل اُنہے بغیر نہیں رہا۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو سر سید کے دل میں قوم کی بھلائی کا خیال اور قومی ہمدردی کا جوش

زیادہ تر دلی ہی کی تباہی اور بربادی نے پیدا کیا۔ سر سید جیسے ذکی الحسن آدمی کے لیے یہ انقلاب ایک تازیانہ تھا۔ دلی کا ساتھا دیکھ کر اسی چوتھ ان کے دل پر لگی جو رفتہ رفتہ اور آخر کار ناسور بن گئی۔

جو برتاؤ سر سید کا دوستوں کے ساتھ تھا وہ اس زمانے کے دوستوں سے بہت نرالا تھا۔ جہاں تک ان کا حال دیکھا گیا، ان کی خوشی بلکہ ان کی زندگی کا مدار صرف دو چیزوں پر معلوم ہوتا تھا۔ کام اور دوستوں کی ملاقات سے ان کو شاید ہی بھی ایسی خوشی ہوتی ہو جیسے اپنے خالص اور خالص دوستوں سے مل کر ہوتی تھی۔ وہ فی الواقع دوستوں کو زندگی کا ایک عصر سمجھتے تھے۔

نواب محمد بن المک نے ایک موقع پر سر سید کا ذکر خیر کرتے وقت کہا کہ میں نے کسی شخص کی ذات میں اس قدر خوبیاں جمع نہیں دیکھیں۔ میری ان سے پہلی ملاقات ۱۸۶۱ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت سے آج تک ایک بات بھی ان میں ایسی نہیں دیکھی جس کو بُرا کہ سکوں۔ اس شخص کی بھی محبت اور وفاداری دنیا میں کہیں نہیں دیکھی۔ البتہ کتابوں میں بہت کچھ لکھا دیکھا ہے۔ بھی وجہ ہے کہ نہ بھائی سے اس قدر بُوکی ہے اور نہ باپ سے جیسی کہ اس شخص کی محبت خدا نے ڈال دی ہے۔ ان کا قول تھا کہ دوستی کے آگے گر شدہ و قربات کی کچھ حقیقت نہیں۔

اس جملی مہر و محبت کا مقتضنا تھا کہ وہ اپنے رفیقوں اور نوکروں اور لگے بندھوں کو تابع و در عرصہ بھر اپنے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ جس شخص کے قدم ان کے ہاں جم گئے پھر نہ وہ اس کو اپنے پاس سے جدا کرنا چاہتے تھے اور نہ وہ ان سے جدا ہونا چاہتا تھا۔ اذل تو وہ کسی کی شکایت سننے نہ تھے اور اگر کوئی کسی ملازم کی کوئی شکایت کرتا تھا تو اس کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ ان کے ایک قدیم ملازم کی لوگوں نے ان سے بارہ شکایت کی مگر وہ کسی طرح ان کے دل سے نہ اترा۔ ہمیشہ ان کا معتمد علیہ اور سفر و حضر میں ان کے ہمراہ رہا اور آخر انھیں کی رفاقت میں مر گیا۔

سیر چشمی اور فراخ حوصلگی سر سید کے خاص اوصاف میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی کمائی سے نہ کبھی مال جمع کرنے کا ارادہ کیا اور نہ اولاد کے لیے کوئی جائیداد خریدی بلکہ جو کچھ کمایا اس کو یا اپنی ضروری آسائش اور سچی عزت اور نیک نامی کے ذرائع میں صرف کیا یا کہے کی خبر گیری، مستحقوں کی امداد، اولاد کی تعلیم، ملک اور قوم کی بھلانی اور مدد ہب کی حمایت میں اٹھایا۔

ابتداء سے ان کا یہ حال رہا کہ جس کام کی لہران کے دل میں اٹھی، اس پر روپیا صرف کرنے میں انہوں نے کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ وہ اپنے کھانے، پینے کے اخراجات میں بھی کر سکتے تھے اور کرتے تھے مگر اپنے شوق کے کاموں میں انہوں نے کبھی مضائقہ نہیں کیا۔ جس کتاب کی ان کو تلاش ہوتی اگر وہ میں گئی قیمت پر بھی ملی تو اس کو لیے بغیر نہیں چھوڑا۔

مستحقوں کی امداد و دیگری کرنے کی بھی ان کی نسبت بے شمار مثالیں سننے میں آئی ہیں۔ سر سید کی جوانمردی اور فیاضی صرف اسی میں محدود نہ تھی بلکہ ان کی مثال ایک پہل دار درخت کی تھی جو اپنے پھل سے، اپنے سائے سے اور اپنی لکڑی سے غرض کر ہر طرح سے مخلوق کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

غريب پیشووروں اور مُزدوروں کے ساتھ جو فیاضانہ برتاؤ اس شخص کا تھا اس کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ جب سے وہ مستقل طور

علی گڑھ میں مقیم ہوئے مزدوروں کی مزدوری اور گاڑیوں کا کرایہ پہلے کی نسبت عموماً زیادہ ہو گیا۔ وہ ہمیشہ لوگوں کو ان کی توقع اور حوصلے سے بہت زیادہ دیتے تھے اور جہاں کہیں ان کا رہنا ہوا یہ لوگ ان کے نہایت شکرگزار ہے۔

سرسید کے ایک دوست ایک زمانے میں ان کے خانگی اخراجات کا حساب لکھا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب مہینہ حتم ہوا میں تمام اخراجات کا مختصر گوشوارہ بنایا کر ان کو دکھانے کے لیے لے گیا۔ سرسید نے کہا ”بس مجھے دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یونہی چلنے دو۔ میں دیکھوں گا تو ناحق میرے دل کو صدمہ ہو گا“ حق یہ ہے کہ جو شخص رات دن اور دن کی اصلاح و فلاح میں رہے گا وہ اپنے خانگی انتظام کی طرف کیونکر متوجہ ہو سکتا ہے۔

مخالفوں اور دشمنوں کی برائیوں کا تحمل کرنا اور کبھی ان سے انتقام لینے کا ارادہ نہ کرنا یہ بھی سرسید کے آن اوصاف میں سے تھا جو ان کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے۔ اگرچہ سرسید فطر تا نہایت عالی ظرف اور عالی حوصلہ پیدا ہوئے تھے اور غنو و اغراض ان کی سرشناسی میں داخل تھا مگر ان کی ابتدائی روک ٹوک اور حسن ترتیب سے یہ تمام ملکات ان کی طبیعت میں اور زیادہ راجح ہو گئے تھے۔ نیک اور عاقل ماں نے بیٹے کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ بروں کی برائی سے بالکل درگزر کی جائے اور اگر بدلتی یعنی کا خیال ہو تو اس بڑے اور زبردست انتقام لینے والے کے انصاف پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اسی نے لڑکپن میں یہ سبق پڑھایا تھا کہ برائی کرنے والوں کے ساتھ برائی کرنے خود اپنے آپ کو ویسا ہتھ بناتا ہے۔

سرسید کو اس وجہ سے کہ وہ مسلمانوں کی دنیوی ترقی کے لیے کوشش کرتے تھے، امراء سے ملتے تھے، حاکمان وقت سے میل جوں رکھتے تھے اور دنیاداروں کی سی زندگی بس کرتے تھے، کہا جا سکتا تھا کہ وہ دنیادار ہیں لیکن ان کی حالت پر نظر کرنے سے بہ مشکل ان کو غرفی معنوں میں دنیادار کہ سکتے تھے۔

یہ شخص اپنے فرانچ کے سوا جن کو وہ اپنے اوپر لازم سمجھتا تھا، درحقیقت کسی چیز سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ باوجود وہ قطعی مایوسی کے جو اس کو مسلمانوں کی طرف سے تھی اور جس کو وہ اکثر پرائیویٹ صحبوں میں نہایت افسوس کے ساتھ ظاہر کرتا تھا اس کی کوششیں آخر دم تک برابر جاری رہیں۔ یہ اسی کی ہمت اور اسی کا حوصلہ تھا جو اس کی ذات پر ختم ہو گیا۔

وہ ان لوگوں میں سے نہ تھا جو لوگوں کو دنیا سے نفرت دلاتے ہیں اور خود مال و دولت جمع کرتے ہیں بلکہ وہ شخص تھا جو ایک امید موبہوم پر کہ شاید قوم دنیوی ذلت سے نکلے، اپنا دھمن تن من سب قوم پر قربان کر گیا۔

(حیات جاوید)

مشق

1. درست جواب کے شروع میں ۷ کا نشان لگائیں۔
- a. ”سرسید کے اخلاق و خصال“ کے مصنف کا نام کیا ہے؟
 - b. مولانا حالی نعمانی
 - c. خواجہ حسن ظفاری
 - d. سید عبداللہ
 - ii. یہ مضمون کس کتاب سے ماخوذ ہے؟
 - b. ”تاریخ ادب اردو“ سے
 - c. ”مقالات سرسید“ سے
 - d. ”حیات جاوید“ سے
 - iii. سرسید کوں سا پھل مرغوب تھا؟
 - b. سیب c. آم d. انار
 - iv. سرسید کی مرغوب غذا کیا تھی؟
 - b. کھیر c. دال d. گوشت
 - v. سرسید کھانے کے بعد کیا پینتے تھے؟
 - b. چائے c. کافی d. کچھ بھی نہیں
 - 2. مختصر جواب دیں۔
 - i. کیا سرسید خطلوں کے جواب باقاعدہ دیتے تھے؟
 - ii. کیا سرسید کو مہماں کی آمدنا گوارگزرتی تھی؟
 - iii. سرسید کی شخصیت کا نمایاں ترین پہلو کیا تھا؟
 - iv. سرسید راست بازی کو کیا سمجھتے تھے؟
 - v. سرسید کا دوستوں سے برتاو کیا تھا؟
 - vi. سرسید کوں سا پھل پسند تھا؟
 - vii. سرسید کھانے کے بعد عموماً کیا پینتے تھے؟
 - viii. سرسید نے مطالعے کی عادت کب سے اپنائی؟
 - ix. سرسید نے خطبات احمد یہ کتنی مدت میں لکھی؟
 - x. کون سی بات سرسید کو سب سے زیادہ نا گوارگزرتی تھی؟

-3

متن کو پیش نظر رکھ کر خالی جگہ پر کریں۔

i- سریڈ کو اپنے کہنے سے حد سے زیادہ تھا۔

ii- سریڈ فطرت عالی طرف اور تھے۔

iii- سریڈ اپنی باتوں سے بڑوں بلکہ بچوں کو بھی کر لیتے تھے۔

iv- سریڈ مذہبی سے پاک تھے۔

v- بچ بات کہنے میں کسی کی سے نہ ڈریں۔

4 "سریڈ کے اخلاق و خصال" کا خاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

5 مندرجہ ذیل اقتباس کی سیاق و سبق کے حوالے سے تشریح کریں۔

دوسٹوں اور مہماں سے ان کا دستخوان بلا نامہ پی لیتے تھے۔

6 مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کریں۔

بشاش۔ خوش طبعی۔ شرم و حجاب۔ فیاض۔ رنج و غم۔

7 مندرجہ ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر ان کا درست تلفظ واضح کریں:-

خصال۔ جلت۔ ضبط۔ فیاض۔ متصل۔

8 مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع لکھیں۔

خلصلت۔ اطیفہ۔ عادت۔ ورق۔ تصنیف

9 مندرجہ ذیل الفاظ کے متفاہ لکھیں۔

کم۔ مہمان۔ ابتداء۔ جواب۔ داعی۔

ابوالقاسم زھراوی^۱

اندلس کی اسلامی سلطنت کے بعض نامور سائنس دان بلاشبہ اپنے اپنے فن میں مہارت تا مرکتے تھے لیکن اس دور کی سب سے عظیم شخصیت، جس کے کمال کا لوہا صدیوں تک اہل مغرب مانتے رہے، ابوالقاسم خلف بن عباس زھراوی ہے۔

پیغمبر مسیح ﷺ کے مشہور حکمران عبدالرحمن الناصر نے اپنے دارالسلطنت قرطبه سے چار میل کے فاصلے پر ایک عظیم الشان محل تعمیر کروایا تھا اور اس کا نام اپنی ملکہ زھرا کے نام پر ”قصر زھرا“ رکھا تھا۔ رفتہ رفتہ اس قصر کے گرد اعیان سلطنت اور دوسرے لوگوں نے اپنے مکان بنانے لے اور وہاں ایک علیحدہ شہر بس گیا جو ”الزھرا“ کے نام سے موسم ہوا۔ یہی ذیلی شہر ابوالقاسم خلف بن عباس کا مرز بوم تھا اور اسی شہر کی نسبت سے ”زھراوی“ کا لقب اس کے نام کا جزو بن گیا ہے۔

ابوالقاسم زھراوی کے آباء اجداد اندلس ہی کے رہنے والے تھے۔ اس کی ولادت ۹۳۶ء میں عبدالرحمن الناصر ہی کے عہد میں ہوئی جو شہابان اندلس میں آٹھواں فرمازدا تھا۔ اس کے عہد میں اندلس کا دارالسلطنت قرطبه اونچ پر پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کی شان و شوکت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اس میں ہزار آٹھ سو مسجد ہیں، ساتھ ہزار سر بیلک عمرانیں، عالم لوگوں کے دولاکھ مکانات، آٹھ ہزار دکانیں اور سات سو حمام تھے۔ قرطبه کی آبادی دس لاکھ باشندوں پر مشتمل تھی جس میں پچاس سرکاری ہسپتال موجود تھے۔ قرطبه کی شاہی لاسبریری میں دولاکھ سے زائد کتابیں تھیں۔ قرطبه یونیورسٹی اس زمانے میں مغرب کی عظیم ترین یونیورسٹی تھی جہاں مختلف مضامین کے جلیل القدر علا تعلیم و تدریس اور تحقیق و تالیف میں معروف رہتے تھے۔ یہی وہ ماحول تھا جس میں ابوالقاسم زھراوی نے اپنا لڑکپن اور جوانی گزاری۔ اس کے کمال فن کو دیکھ کر یہ اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اس علی ماحول سے پورا فائدہ اٹھایا اور طب میں، جو اس کا خاص مضمون تھا، کامل دست گاہ حاصل کی۔ اپنی تعلیم کی محکیل کے بعد وہ قرطبه کے شاہی شفاخانے کے ساتھ نسلک ہو گیا اور یہاں اس نے اُس عملی تحقیق کا آغاز کیا جس نے تھوڑے ہی عرصے میں اس کو جدید علم الجراحت کا موجہ دار اپنے زمانے کا سب سے بڑا سرجن (Surgeon) بنادیا۔

موجودہ زمانے میں علم علاج کے جدوڑ طریقے یعنی علاج بالدوا (میڈیسن) اور علاج بالجراحت (سرجری) ہسپتالوں میں مروجہ ہیں، ان کے متعلق یہ خیال عام ہے کہ اگرچہ مغربی طب، یعنی الیوبیٹیقی دیسی طب ہی کا چچ رہے ہے، مگر جراحت، یعنی سرجری خاص مغربی ڈاکٹروں کی چیز ہے جس میں کوئی ان کا ہم سرتیہ نہیں ہے۔ لیکن اس خیال کے پھیلنے کی وجہ مخصوص یہ ہے کہ ہمارے عوام اسلامی دور کے عظیم سرجن ابوالقاسم زھراوی کے نام اور اس کے کارناموں سے واقف نہیں، ورنہ یہ حقیقت ہے کہ زھراوی ہی وہ عظیم شخصیت ہے جس نے اپنی یورپ کو سرجری کے فن سے روشناس کرایا۔

^۱ ”زھراوی“ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اسے ”زھراوی“ بھی لکھتے ہیں۔ لکھنے کے پیدا و نشوون انداز درست ہیں۔

ابوالقاسم الزہراوی سرجری میں جو نادر آپریشن انجام دیتا تھا، اپنے روز افزوں تجربے سے اس فن میں جوئی خوبی رائیں دریافت کرتا تھا، آپریشن کرنے کے لیے اپنی گمراہی میں جوئے نے آلات بنا دیا تھا، ان سب کی تفصیل وہ احاطہ قلم میں لاتا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس کے قلم سے عملی سرجری پر ایک یگانہ روزگار تصنیف ظہور میں آگئی جو صد یوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں سرجری کی واحد معیاری کتاب کے طور پر داخل درس رہی۔

زہراوی کی اس کتاب کا نام ”تصریف“ ہے۔ یہ پوری کتاب تو علم علاج کی دونوں شاخوں طب یعنی میدیں اور جراحت یعنی سرجری پر مشتمل ہے، لیکن اس کا سب سے اہم حصہ سرجری کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے طب یعنی میدیں پر تو عربی میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی تھیں لیکن جراحت یعنی سرجری پر اعلیٰ معیاری کی پہلی مفصل کتاب ”تصریف“ کا ذکر آتا ہے تو اس سے ”تصریف“، ”یعنی سرجری کی کتاب ہی مراد ہوتی ہے۔

”تصریف“ تین بڑے حصوں میں تقسیم ہے۔ اس کا پہلا حصہ داغ دینے کے متعلق ہے جو ازمہ و سطیٰ تک بعض امراض کے علاج میں برداشت ہے۔ ”تصریف“ کے دوسرا اور تیسرا حصے میں عملی جراحت کا بیان ہے اور یہی اس کتاب کے اہم ترین حصے ہیں۔ ان میں دانت نکالنے، آنکھوں کا آپریشن کرنے، حلک کا کواؤ کاٹنے، مثانے میں سے پتھری نکالنے، بواسیر کے متلوں کو کاٹنے، خنازیر کا آپریشن کرنے، ٹوٹی ہڈی کو جوڑنے، اترے ہوئے جوڑوں کو چڑھانے، ماڈف عضو کو کاٹنے اور ہر قسم کے پھوڑوں کو چیرنے کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

مخصر یہ کہ جراحت میں ۹۰ فیصد جن اعمال سے ایک سرجن کو سابقہ پڑتا ہے ان میں سے کسی کی تفصیل اس تصنیف میں چھوٹ نہیں گئی۔ ان اعمال جراحت کے لیے جن آلات کی ضرورت ہوتی ہے، ان کی تشریح نہایت خوب صورت تصاویر سے کی گئی ہے۔ ان آلات میں قاتا طیر، یعنی پیشہ خارج کرنے کا آلة، مقامائے السان، یعنی دانت نکالنے کا آلة، مخفن یعنی اینجا کرنے کا آلة، مختلف قسم کے نشر، قپچکی، آری، سرجنوں کی سلامی، زخموں کے سینے کے لیے مختلف شکل کی سوپیاں، سبھی شامل ہیں۔ ان میں سے ہر آلے کی ساخت تصویری کی مدد سے اور طریقیں استعمال الفاظ کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ ”تصریف“ سے پہلے جراحی پر نہ اتنے پائے کی کوئی کتاب لکھی گئی تھی اور نہ علم جراحت کے متعلق اتنی خوب صورت تصاویر پیش کی گئی تھیں۔

”تصریف“ کی نمایاں خصوصیات میں فاضل صفت نے اس میں جا بجا پائے تجربات کی روشنی میں سرجری کے متعلق ایسی تصریحات کی ہیں جن سے طبی دنیا اس سے پہلے بے خبر تھی۔ زہراوی کا طرز بیان عام فہم اور زبان سادہ ہے۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اس کے تمام رموز اس خوبی سے بیان کرتا ہے کہ قاری کے لیے کسی قسم کا الجھاؤ باقی نہیں رہتا۔ پھر بعض دیگر طبی مصنفوں کی طرح وہ فلسفیانہ موشگینیوں میں نہیں الجھا بلکہ اپنے فن کے عملی پہلوؤں کو سامنے رکھتا ہے اور صرف انھی امور کی توضیح کرنا ضروری خیال کرتا ہے جو عملی افادیت کے حامل ہوں۔

ابلی مغرب، جو مسلمانوں کے ناموں کو بگاڑنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں، ابوالقاسم زہراوی کو ابوالکاس (Abulcasis)، ابوالکاس (Albucasis) اور الزہراوی (Alzaharawius) کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

یورپ میں ازمنہ وسطی سے لے کر انھاروں صدی تک کے تمام مغربی مصنفوں نے سر جری پر کتابیں لکھی ہیں، ابوالقاسم زھراوی کی فتحی قابلیت کے معرفت ہیں اور جا بجا اس کی کتاب سے حوالے دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے تو صاف طور پر اس امر کا اظہار کیا ہے کہ فتنہ جراحت میں زھراوی ایک استاد کامل کی حیثیت رکھتا ہے اور اہلی یورپ نے ابتداء سر جری میں جو کچھ حاصل کیا ہے وہ صرف زھراوی ہی کی بدولت ہے۔

زھراوی کی کتاب "تصریف" صدیوں تک یورپ کی تمام بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں داخلی درس رہی اور مغرب کے سرجن اس کتاب کے مندرجات کو سند کے طور پر پیش کرتے رہے۔

"تصریف" کا لاطینی ترجمہ سب سے پہلے ونس سے ۱۳۹۷ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد اس کا لاطینی ایڈیشن، جس میں عربی کتاب کی اصل تصویریں بھی نہیں آب و تاب سے چھاپی گئی تھیں، ۱۵۳۱ء میں باسل میں طبع ہوا۔ باسل ایڈیشن کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں اصل عربی کتاب اور اس کا لاطینی ترجمہ دونوں ایک ہی جلد میں شامل تھے۔ یورپ میں اس کتاب کی مقبولیت انیسویں صدی کے آخر تک بھی باقی تھی۔ چنانچہ ایک فرانسیسی ڈاکٹری کارک نے ۱۸۸۱ء میں "التصریف" کو فرانسیسی زبان میں منتقل کیا اور دیباچے میں اس کتاب کو سر جری کا ایک نادر شاہ کار قرار دیا۔ یورپ کے فضلانے "التصریف" کو محض اپنی زبانوں میں منتقل کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان میں سے بعض نے اس کتاب پر شرحیں بھی لکھی تھیں۔

(نامور مسلم سائنس دان)

مشق

- ۱- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سے جو درست ہیں، ان کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں:

- ii- عبد الرحمن الناصر ملک کا حکمران تھا؟

ل- اردن کا ب- مصر کا

ج- چین کا د- سوڈان کا

- iii- ابوالقاسم زھراوی کون تھا؟

ل- ماہر تعمیرات ب- سائنس دان

ج- ماہر تعلیم د- ماہر قانون

- iv- ابوالقاسم زھراوی کے آباؤ جادو کہان کے رہنے والے تھے؟

ل- مصر ب- ایران

ج- عراق د- انگلستان

-iv. قطبہ کی شاہی لاہوری میں کتنی کتابیں تھیں؟

- ب۔ ایک لاکھ سے زائد
ج۔ دو لاکھ سے زائد

-v. ابوالقاسم زہراوی نے اہل یورپ کو کس فن سے روشناس کرایا؟

- ب۔ فن تعمیرات سے
ج۔ سرجری کے فن سے

-2. مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں:

i. ابوالقاسم زہراوی کی مشہور تصنیف کا نام کیا ہے؟

ii. ڈاکٹری کارک نے اس کتاب کا کس زبان میں ترجمہ کیا؟

iii. زہراوی کس یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہے؟

iv. زہراوی کی مشہور تصنیف کن یونیورسٹیوں میں داخل درس رہی؟

v. زہراوی کے عہد میں مغرب کی عظیم ترین یونیورسٹی کون سی تھی؟

-3. مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم لکھیں:

مهارت تامہ، جلیل التدرر، چرب، نادر، عمل جراحت۔

-4. مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو اس طرح سے جملوں میں استعمال کریں کہ ان کی تذکیرہ و تابیث واضح ہو جائے:
تحقیق، علم الجراحت، امراض، ساخت، اکتفا۔

ادیب کی عزت

صحح کے وقت حضرت قمر نے میں دفعہ ابای ہوئی چائے کا پیالا تیار کیا اور بخیر چینی اور دودھ کے پی گئے۔ یہی ان کا ناشتا تھا۔ دودھ اور چینی ان کے نزدیک ضروریات زندگی میں نہ تھیں۔ گھر میں گئے ضرور، کہ یہوی کو جگا کر پیسے مانگیں، پر اسے پھٹے میلے لفاف میں سوتے دیکھ کر جگانے کو جی نہ چاہا۔ سوچا شاید مارے مردی کے رات بھرنی دنہ آئی ہوگی، اس وقت جا کر آنکھ لگی ہے۔ کچھ نیند بگاؤ دینا مناسب نہ تھا۔ چکے سے لوٹ گئے۔

چائے پی کر انھوں نے قلم دوات سنبھالی اور وہ کتاب لکھنے میں محو ہو گئے۔ جوان کے خیال میں اس صدی کی بہترین تصنیف ہو گی جس کی اشاعت ان کو قصر گمانی سے نکال کر شہرت اور ناموری کے آسان پر پہنچا دے گی۔ آدھ گھنٹا کے بعد یہوی آنکھیں ملتے ہوئے آکر یوں:

”چائے پی چکے؟“

قمر نے خوش ہو کر جواب دیا۔ ”ہاں پی چکا، بہت اچھی نی تھی۔“

”مگر دودھ اور چینی کہاں سے لائے؟“

”آج کل سادہ چائے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ دودھ اور چینی ملانے سے چائے کا ذائقہ بگز جاتا ہے۔ ڈاکٹروں کی بھی یہی رائے ہے۔ یورپ میں تو دودھ کا بالکل رواج نہیں۔ یہ تو ہمارے ہاں کے رئیسون کی ایجاد ہے۔“

”نہ جانے آپ کو پہنچی چائے کیوں بگرا چھی معلوم ہوتی ہے۔ مجھے جگا کیوں نہ لیا؟ پیسے رکھے تھے۔“ قمر نے جواب نہ دیا اور پھر لکھنے لگے۔ جوانی ہی میں انھیں یہ بیماری لگ گئی تھی اور آج بیس سال سے وہ اسے پالے ہوئے تھے۔ اس بے نیازی کی شان سے جواد یہوی کی انتیازی صفت ہے، انھوں نے کسپ معاش کے کسی اور ذریعہ کی طرف توجہ نہ کی۔ اس بیماری میں جسم چھل گیا۔ صحت چھل گئی اور چالیس سال کی عمر ہی میں بڑھاپے نے آکر گھیر لیا مگر یہ مرض لا علاج ہے۔ طلوع آفتاب سے آدمی رات تک یہ ادب کا پیچاری دنیا و مانیہا سے بے خبر فکرِ خن میں غرق رہتا۔ اب انھیں یہ شہد ہونے لگا تھا کہ میرے مظاہن میں کوئی خوبی کوئی معنی ہی نہیں، اور یہ اکٹھاف بدرجہ غایت بہت شکن تھا۔ یہ عمر عزیز یوں تلف ہوئی۔ یہ تکین، بھی نہیں کہ دنیا نے ناقدری کی ہو گران کا کارنامہ حیات حیرت نہیں۔ ضروریات زندگی کھٹھے کھٹھے زہد کی حدود کو بھی پار کر کچھی تھیں۔ اگر کوئی تکین تھی تو محض یہ کہ ان کی رفیقتہ حیات ترک و ایثار میں ان سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ سیکنڈ اس تباہ حالی میں بھی مطمئن تھی۔ قمر کو دنیا سے شکایت ہو گریکہنہ ہمیشہ اس کی دلبوچی کرتی رہتی تھی۔ اپنے نصیبوں کو روتنا تو دور کی بات تھی اس نے بھی مانتے پر بل بھی نہ آنے دیا۔ سیکنڈ نے چائے کا پیالہ سیٹھتے ہوئے کہا:

”تو جا کر گھننا آدھ گھننا کہیں گھوم پھر کیوں نہیں آتے۔ جب معلوم ہو گیا کہ جان دے کر کام کرنے سے بھی کوئی نتیجہ نہیں تو بیکار کیوں سر کھپاتے ہو؟“

قرنے بغیر قلم اٹھائے ہوئے کہا، ”لکھنے میں کم از کم یہ تسلی تو ہوتی ہے کہ کچھ کر رہا ہوں۔ سیر کرنے میں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔“

”یہ اتنے لکھے پڑھے آدی ہر روز ہوا کھانے جاتے ہیں تو یہ کیا اپنا وقت ضائع کرتے ہیں؟“

”مگر ان میں زیادہ تر وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو سیر کرنے سے مالی نقصان نہیں ہوتا۔ اکثر تو سرکاری ملازم ہوتے ہیں جن کو ماہوار تجوہ اہل جاتی ہے یا ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی عوام میں عزت ہے، میں قول کا مزدور ہوں۔ تم نے کبھی مزدوروں کو بھی ہوا کھانے دیکھا ہے جنہیں کھانے کی کمی نہیں ان کو ہوا کی ضرورت ہے۔ جنہیں روٹیوں کے لالے ہیں وہ ہوا کیا کھائیں گے؟ پھر تدرستی اور لمبی عمر کی بھی ان ہی کو ضرورت ہے۔ اس بار کوسر پر کچھ دن اور اٹھائے رکھنے کی خواہش مجھے کیا ضرورت ہے۔“

سینہ نے مایوسی میں ڈوبی ہوئی باتیں سین تو آنکھوں میں آنسو بھرائے اور اندر چل گئی۔ اس کا دل کھلتا تھا، اس پ کا پھل ایک دن انھیں ضرور ملے گا۔ دولت حاصل ہونے ہو یکن قمر صاحب یا س کی حد تک جا پہنچے تھے، جہاں سے سمت مختلف میں طلوع ہونے والی امید کی سرخی بھی نہیں دکھائی دیتی۔

(۲)

ایک ریس کے یہاں کوئی تقریب ہے۔ اس نے حضرت قمر کو بھی مدعو کیا ہے۔ آج ان کا دل خوشی کے گھوڑے پر بیٹھا ہوا ناق رہا ہے۔ سارے دن وہ اسی تخيیل میں محور ہے۔ راجا صاحب کن الفاظ میں ان کا خیر مقدم کریں گے اور وہ کن الفاظ میں ان کا جواب دیں گے۔ کن مظاہر میں پر گفتگو ہو گی اور کن کن اصحاب سے ان کا تعارف کرایا جائے گا۔ سارا دن وہ انھی خیالات کے لطف اٹھاتے رہے۔ اس موقع کے لیے انہوں نے ایک نظم بھی تیار کی جس میں انہوں نے زندگی کو ایک باغ سے تشبیہ دی تھی۔ سراب ہستی ان کے زور طبع کے لیے زیادہ موزوں چیز تھی مگر وہ آج ریسوں کے جذبات کو خیس نہ لگا سکتے تھے۔

دو پہر ہی سے انہوں نے تیار یاں شروع کیں۔ جامات بنائی۔ صابن سے نہائے۔ سر میں تیل ڈالا، دقت کپڑوں کی تھی۔ مدت گزری، جب انہوں نے ایک اچک بنوائی تھی۔ اس کی حالت بھی ان کی سی تھی جیسے ذرا سی سردی یا گرمی سے انھیں زکام یا سر در ہو جاتا تھا اسی طرح وہ اچکن بھی نازک مزاج تھی۔ اسے نکالا اور جھاڑ پوچھ کر رکھا۔

سینہ نے کہا ”تم نے ناق وہاں جانا منظور کیا، لکھ دیتے میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ان پہنچے حالوں جانا تو اور بھی رہا ہے۔“

قرنے فلاسفروں کی سمجھیدگی سے کہا ”جنہیں خدا نے دل اور سمجھ دی ہے وہ آدمیوں کا الباں نہیں دیکھتے، ان کے مند دیکھتے ہیں۔ آخر کچھ بات تو ہے کہ راجا صاحب نے مدعو کیا ہے۔ میں کوئی عہدے دار نہیں، زمیندار نہیں، جاگیر دار نہیں، ٹھیک دار نہیں، معمولی ایک شاعر ہوں۔ شاعر کی قیمت اس کی نظر میں ہوتی ہیں۔ اس نقطہ نگاہ سے مجھے کسی کے سامنے نادم ہونے کی ضرورت نہیں۔“

سکینہ ان کی سادگی پر ترس کھا کر بولی "تم خیالات کی دنیا میں رہتے رہتے حقیقی دنیا سے بالکل بے گانہ ہو گئے ہو۔ میں کہتی ہوں راجا صاحب کے بیہاں لوگوں کی نگاہ سب سے زیادہ پکڑوں ہی پر پڑے گی۔ سادگی ضرور اچھی چیز ہے لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں کہ آدمی بیوقوف ہی بن جائے۔"

قرکواس دلیل میں کچھ جان نظر آئی۔ اہل نظر کی طرح انھیں اپنی غلطیوں کے اعتراض میں پس و پیش نہ ہوتا تھا۔ بولے:

"میرا خیال ہے چراغ جمل جانے کے بعد جاؤں۔"

"میں تو کہتی ہوں جاؤ ہی کیوں؟"

"اب تم کو کیسے سمجھاؤں۔ ہر شخص کے دل میں اعزاز و احترام کی بھوک ہوتی ہے۔ تم پوچھو گی یہ بھوک کیوں ہوتی ہے؟ اس لیے کہ یہ ہماری روح کے ارتقا کی ایک منزل ہے۔ ہم اس عظیم الشان طاقت کا لطیف حصہ ہیں جو ساری دنیا میں حاضر و ناظر ہے۔ جزو میں کل کی خوبیاں ہوتا لازمی امر ہے۔ اس لیے جاہ و رفتہ علم و فضل کی جانب ہمارا فطری میلان ہے۔ میں اس ہوس کو محیوب نہیں سمجھتا۔ ہاں اچونکہ دل میں ضعف ہے۔ اہل دنیا کی حرفاً گیر یوں کا خیال قدم پرداں گیر ہو جاتا ہے۔"

سکینہ نے گاچھڑانے کے لیے کہا "اچھا بھتی جاؤ۔ میں تم سے بحث نہیں کرتی لیکن کل کے لیے کوئی سنبھال سوچتے جاؤ کیونکہ میرے پاس صرف ایک آنہ اور رہ گیا ہے۔ جن سے قرض مل سکتا تھا ان سے لے چکی اور جس سے لیا اُسے دینے کی نوبت نہیں آئی۔ مجھے تواب اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

قرنے ایک لمحے کے بعد کہا "دو ایک اخباروں سے روپیا آنے والا ہے۔ شاید کل تک آجائے اور اگر فاقہ کشی ہی کرنی پڑے تو کیا فکر ہے۔ ہمارا فرض کام کرتا ہے۔ ہم کام کرتے ہیں اور دل و جان سے کرتے ہیں۔ اگر اس کے باوجود فاقہ کرنا پڑے، تو میرا اقصوں نہیں۔ مر ہی تو جاؤ گا۔ ہمارے جیسے لاکھوں آدمی آئے دن مرتے رہتے ہیں۔ دنیا کا کوئی کام بند نہیں ہوتا۔ تم ہی کہو میں جو کچھ کرتا ہوں، اس سے زیادہ میرے امکان میں کیا ہے؟ ساری دنیا میں یہ نیند سوتی ہے اور میں قلم لیے بیٹھا رہتا ہوں۔ لوگ سیر و تفریح کرتے ہیں، کھلتے کوڈتے ہیں۔ میرے لیے سب کچھ حرام ہے۔ بیہاں تک کہ مہنبوں سے بننے کی نوبت نہیں آئی۔ عید کے دن بھی میں نے تعطیل نہیں منتا۔ بیمار ہوتا ہوں، جب بھی لکھتا ہوں۔ سوچو تم پہار تھیں اور میرے پاس حکیم کے پاس جانے کے لیے بھی وقت نہ تھا۔ اگر دنیا نہیں قدر کرتی ہے کہے۔ اس میں دنیا ہی کا نقصان ہے میرا تو کوئی نقصان نہیں۔ چراغ کا کام جانا ہے۔ اس کی روشنی پھیلتی ہے یا اس کے سامنے کوئی دیوار ہے، اسے اس سے مطلب نہیں۔ میرا بھی ایسا کون دوست، شناسیا رشتہ دار ہے جس کا میں شرمندہ احسان نہیں۔ بیہاں تک کہ اب گھر سے نکلنے بھی شرم آتی ہے۔ اطمینان صرف اتنا ہے کہ لوگ مجھے بدنتیت تصور نہیں کرتے۔ خواہ وہ میری کچھ زیادہ امداد نہ کر سکیں مگر انھیں مجھ سے ہمدردی ہے۔ میری خوشی کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ آج مجھے ایک رہنمی نے بلا�ا ہے۔"

پھر معاں پر نشر ساچھا گیا۔ غرور سے بولے:

"نہیں اب رات کو نہ جاؤں گا۔ جسے راجا لوگ مددو کریں، وہ ایسا ویسا آدمی نہیں ہو سکتا۔ راجا صاحب معمولی رہنمیں۔"

اگر اب بھی کوئی مجھے معمولی آدمی سمجھے، تو اس کی عقل کا فتور ہے۔“

(۳)

شام کے وقت حضرت قمر اپنی پہنچی پر انی اچھن، سڑھے ہوئے جوتے اور بے تکلی سی ٹوپی پہنے گھر سے نکلا تو گنوار اچھے سے معلوم ہوتے تھے۔ ڈیل ڈول اور چہرے مہرے کے آدمی ہوتے تو اس خانہ میں بھی ایک شان ہوتی۔ فرمائی بجائے خود بارعب شے ہے مگر ادبی خدمت اور فرمائی میں خدا واسطے کا بیر ہے۔ اگر کوئی ادیب مونا تازہ ہے تو سمجھ بجھے کہ اس میں سوز نہیں، لوق نہیں، دل نہیں۔ پھر بھی اکڑے جاتے تھے۔ ایک ایک عضو سے غرور نہیں تھا۔

یوں گھر سے نکل کر وہ دکان داروں سے آنکھ بچا کر نکل جاتے تھے مگر آج وہ گردن اٹھائے ان کے سامنے سے جا رہے تھے۔ آج وہ ان کے تقاضوں کا دندال شکن جواب دینے کو تیار تھے مگر شام کا وقت تھا ہر ایک دکان پر خریداروں کا ہجوم تھا۔ کوئی ان کی طرف نہیں دیکھتا۔ جس رقم کو وہ بہت زیادہ سمجھتے تھے، وہ دکان داروں کی نگاہوں میں معمولی تھی۔ کم از کم ایسی نتھی جس کی خاطر وہ کسی کی عزت اُتار کر رکھ دیں۔ حضرت قمر نے ایک مرتبہ سارے بازار کا چکر لگایا، پرمی نہ بھرا۔ تب دوسرا چکر لگایا اس سے بھی پکھنہ بنا۔ تب وہ خود حافظ صمد کی دکان پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ حافظ صاحب بساطی کا کام کرتے تھے۔ قمر کو دیکھ کر بولے ”واہ حضرت! ابھی تک چھاتے کے دام نہیں تھے۔ ایسے سوچیاں گا ہکل جائیں تو دیوال نکل جائے۔ اب تو دن بہت ہو گئے۔“

حضرت قمر کی باچھیں کھل گئیں۔ دل کی مراد پوری ہوئی۔ بولے ”میں بھولا نہیں ہوں حافظ صاحب، ان دونوں کام کی اس قدر زیادتی رہی کہ گھر سے نکلتا دشوار تھا۔ روپیا تو ہاتھ نہیں آتا پر آپ کی دعا سے قدر شناسوں کی کی نہیں۔ دوچار آدمی گھرے ہی رہنے ہیں۔ زندگی و بال ہے۔ اس وقت بھی راجا صاحب۔۔۔۔۔ اجی وہی جو نکڑ والے بنگلے میں رہتے ہیں ان ہی کے یہاں جا رہا ہوں، روز کوئی نہ کوئی ایسا ہی موقع آتا رہتا ہے۔“

حافظ صاحب مرعوب ہو گئے۔۔۔۔۔ ”اچھا آپ راجا صاحب کے ہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ ٹھیک ہے۔ آپ چیزے باکمالوں کی قدر رکھیں ہی کر سکتے ہیں اور کون کرے گا۔ اگر کوئی موقع ہاتھ آئے تو غریب کو بھول نہ جائیے گا۔ راجا صاحب کی اگر ادھر نکاہ ہو جائے تو پھر کیا پوچھنا، ایک پورا بساط خانہ تو ان ہی کے لیے درکار ہے۔ ڈھائی تین لاکھ سالانہ کی آمدنی ہے۔“

قمر صاحب کو ڈھائی تین لاکھ کی آمدنی حقیری معلوم ہوئی۔ زبانی مجمع خرچ ہے تو میں لاکھ کہنے میں کیا حرج ہے؟ بولے ”ان کی آمدنی دس لاکھ سے کم نہیں۔ ایک صاحب کا اندازہ تو میں لاکھ کا ہے۔ مکان ہے، دکان ہے، دکانی ہیں، ٹھیک ہے، امانی روپے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سرکار بہادر کی نگاہ ہے۔“

حافظ نے بڑے بیڑ سے کہا ”یہ دکان آپ کی ہے۔ جتاب بس اتنی ہی عرض ہے۔ اے مرادی، ذرا دو پیسے کے اچھے پان تو بنو والا۔ آپ کے لیے۔ آئیے دو منٹ بیٹھیے، کوئی چیز دکھاؤں گا۔ آپ سے تو گھر کا معاملہ ہے۔“

قمر نے پان کھاتے ہوئے کہا ”اس وقت تو معاف رکھیے۔ وہاں دیر ہو گی، پھر بھی حاضر ہوں گا۔“

یہاں سے اٹھ کر وہ ایک کپڑے والے کی دکان پر رکے۔ انھیں دیکھ کر آنکھیں اٹھائیں۔ بے چارہ ان کے نام کو رو بیٹھا تھا۔
سوچتا تھا شاید کہیں چلے گئے۔ سمجھا رہ پے دینے آئے ہیں۔ بولا:
”بھائی، آپ نے تو بہت دن سے درشن ہی نہیں دیتے۔ کتنی بار رقم بھیجا، مگر آدمی کو آپ کے مکان کا پاتا نہ تھا۔ فتحی جی ذرا دیکھو تو
آپ کے نام کیا لفڑتا ہے؟“

قرمکی روح تقاضوں سے کاپنچی تھی، لیکن آج اس طرح بے فکر کھڑے تھے جیسے کوئی آہنی خود پہن لیا ہو۔ جس پر کوئی ہتھیار کا رگر نہیں
ہوتا۔ بولے ”ورا راجا صاحب کے یہاں ہواؤں تو بے فکر ہو کر بیٹھوں۔ اس وقت نہیں جلدی میں ہوں۔“

راجا صاحب پر کتنی سور و پے نکلتے تھے۔ پھر بھی ان کا دامن نہ چھوڑتا تھا۔ ایک کے تین وصول کرتا۔ اس نے قرمکی اس جماعت
میں رکھ لیا جس کا پیشہ رئیسوں کو لوٹتا ہے۔ بولا:

”پان تو کھاتے جائیے جتاب! راجا صاحب ایک دن کے ہیں، ہم تو بارہ ہمیںوں کے ہیں۔ کچھ کپڑا درکار ہو تو لے جائیے، عید آ
رہی ہے۔ موقع ملے تو راجا صاحب کے خراچی سے کہنا۔“ پرانا حساب بہت دنوں سے پڑا ہے، اب تو صاف ہو جائے۔ اب ہم ایسا کون
سافع لے لیتے ہیں کہ دو دو سال تک حساب ہی نہ ہو؟“
قرمبو لے اس وقت پان وان رہنے دو بھائی۔ دیر ہو جائے گی۔ جب انھیں مجھ سے ملنے کا اس قدر اشتیاق ہے اور میرا اتنا ادب
کرتے ہیں تو میرا بھی فرض ہے کہ انھیں تکلیف نہ ہونے دوں۔ ہم تو قدر دنی چاہتے ہیں، دولت کے بھوکے نہیں۔ کوئی نہیں چاہے تو ہم
اس کے غلام ہیں۔ کسی کو ریاست کا غرور ہے تو ہمیں بھی اپنے علم و کمال کا غرور ہے۔“

(۲)

حضرت قرم راجا صاحب کے بنگلے کے سامنے پہنچنے تو دیے جمل پکھے تھے۔ امیروں اور رئیسوں کی موڑیں کھڑی تھیں۔ دروازے پر
وردی پوش دربان کھڑے تھے۔ ایک صاحب مہماںوں کا استقبال کر رہے تھے۔ قرم کو دیکھ کر وہ جھکے، پھر انھیں سر سے پاؤں تک دیکھ کر
بولے ”آپ کے پاس کا رڈ ہے؟“

قرم صاحب کی جیب میں کارڈ تھا، مگر اس مطابق پر انھیں غصہ آگیا۔ انھی سے کیوں کارڈ ماٹا گیا؟ اور وہ سے تو کوئی پوچھتا نہیں۔
بولے:

”میرے پاس تو کوئی کارڈ نہیں، اگر آپ دوسروں سے کارڈ مانگتے تو میں بھی دکھادیتا۔ ورنہ میں اسے اپنی توہین کھجتا ہوں۔ آپ
راجا صاحب سے کہ دیکھیے گا، قمر آیا تھا، لوث گیا۔“

وہ بولے ”نہیں نہیں جناب، اندر چلے، آپ سے تعارف نہ تھا۔ معاف فرمائیے۔ آپ ہی جیسے اصحاب سے تو محفل کی روشن
ہے۔ خدا نے آپ کو وہ کمال عطا فرمایا ہے کہ سبحان اللہ۔“

اس شخص نے قرم کو بھی نہ دیکھا تھا مگر اس نے جو کچھ کہا وہ ہر ایک مصنف، ہر ایک شاعر کے متعلق کہا جا سکتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ

کوئی اویب اس واد سے مستثنی نہیں۔

قراءدر پہنچ تو دیکھا کہ بارہ دری کے سامنے صبح اور آراستہ احاطے میں بجلی کے یہ روشین ہیں۔ وسط میں ایک حوض ہے اور حوش میں سنگ مرمر کی ایک پری۔ پری کے سر پر فوارہ۔ فوارے کی پھواڑیں رنگیں۔ یہ پوں سے رنگیں ہو کر ایسی معلوم ہوتی تھیں، جیسے قوس قرآن پکھل کر دس رہا ہو۔ حوض کے چاروں طرف میزیں تھیں۔ میزوں پر سفید پوش، ان پر خوب صورت لگدی تھی۔
قرکود کیختے ہی راجا صاحب نے خیر مقدم کیا ”آئیے آئیے، اب کے آپ کی نظم دیکھ کر تو دل خوش ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا، اس شہر میں آپ جیسے رن بھی چھپے ہوئے ہیں۔“

پھر بیٹھے ہوئے احباب سے ان کا تعارف کرنے لگے ”آپ نے حضرت قرکانام تو سنا ہو گا؟ وہ آپ ہی ہیں۔ کیا شیرینی ہے، کیا جدت ہے، کیا تخلی ہے، کیا روانی ہے، کیا نادرت ہے کہ وہاں! میرا دل تو آپ کی چیزیں پڑھ کرنا پڑے گتا ہے۔“

ایک صاحب نے جو انگریزی سوٹ میں تھے، قرکوائیں نگاہوں سے دیکھا گویا وہ چڑیا گھر کا کوئی جانور ہوا اور بولے ”آپ نے انگریزی شاعری کا بھی مطالعہ کیا۔ بازار، شیلے، غنیمن وغیرہ؟“

قرنے بے اختناقی سے جواب دیا ”جی ہاں تھوڑا بہت دیکھا ہے۔“

”آپ ان استاد ان فن کی کتابوں میں سے کسی کا ترجمہ کر دیں تو آپ اپنی زبان کی بڑی خدمت کریں۔“

قراءدر آپ کو بازار، شیلے سے جو بھر کم نہ سمجھتے تھے۔ بولے ”ہمارے یہاں روحانیت کا ابھی اتنا فقدان نہیں ہوا کہ مغربی شاعروں سے بھیک مانگیں۔ میرا خیال ہے کم از کم اس مضمون میں ہم اب بھی مغرب کو بہت کچھ سکھا سکتے ہیں۔“

انگریزی پوش صاحب نے قرکوپاگل سمجھا۔ راجا صاحب نے قرکوائیں نگاہوں سے دیکھا گویا کہ رہے ہوں ذرا موقع محل دیکھ کر با تیس کردا اور بولے ”انگریزی لڑپچ کا کیا کہتا۔ شاعری میں تو اس کا جواب نہیں ہے۔“

انگریزی پوش ”ہمارے شاعروں کو ابھی تک اتنا بھی معلوم نہیں کہ شاعری کے کیا معنی ہیں وہ ابھی تک بھروسہ وال کو شاعری کا منتها مقصود سمجھے بیٹھے ہیں۔“

قرنے ایسٹ کا جواب پتھر سے دیا ”میرا خیال ہے آپ نے ہندوستانی شعر کا کلام ابھی تک دیکھا ہی نہیں اور اگر دیکھا ہے تو سمجھا نہیں۔“

راجا صاحب نے قرکا منہ بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بولے ”آپ کے مضمون انگریزی اخبارات میں چھپتے ہیں اور لوگ انھیں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔“

اس کے معنے یہ ہیں کہ اب آپ زیادہ نہ بکیے۔ ایک اور صاحب آئے۔ راجا صاحب نے تپاک سے ان کا بھی استقبال کیا۔ ”آئیے ڈاکٹر، مزاج تو اچھے ہیں؟“

راجا صاحب نے قمر کا تھاف کرایا "آپ حضرت قمر شاعر ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب نے خاص انداز سے کہا "اچھا! آپ شاعر ہیں۔" اور بغیر کچھ کہنے سے آگے بڑھ گئے۔
یہ تماشائی مرتبہ ہوا اور ہر بار قمر کو یہی داد دیں "اچھا آپ شاعر ہیں۔"

یہ الفاظ ہر مرتبہ قمر کے دل پر نیا صدمہ پہنچاتے تھے۔ ان کا باطنی مفہوم قمر سے چھپا نہ تھا۔ عام فہم الفاظ میں یہ مطلب تھا "تم اپنے خیالی پلاو پکاتے ہو پکاؤ۔ یہاں تمہارا کیا کام؟ تمہارا اتنا حوصلہ کہ اس محفل میں چلے آؤ؟"

قمر اپنے اوپر جھنجھلار ہے تھے۔ دعویٰ کا رڈا پا کروہ پھولے نہ سائے تھے لیکن یہاں آکر ان کی جس قدر تذلیل ہوئی اس کو دیکھ کر اپنا اطمینان کا جھونپڑا جنت سے کم نہ تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو طعن کی۔ "تمہارے جیسے عزت کے ہوس مندوں کی یہی سزا ہے۔ اب تو آنکھیں کھلیں کہ تم کتنی عزت کے مستحق ہو۔ تم خود اس غرض مندوں میں کسی کے کام نہیں آ سکتے۔ وکیل تمہارا احترام کیوں کریں؟ تم ان کے موغل نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر اور حکیم تمہاری طرف کیوں دیکھیں؟ انھیں بغیر فہیں کے گھر آنے کی ضرورت نہیں۔ تم لکھنے کے لیے بنے ہو۔ لکھتے جاؤ۔ اس دنیا میں تمہارا اور کوئی مصرف نہیں۔"

یک لوگوں میں مل چل مجھ گئی۔ آج کا جلسہ جن صاحب کے اعزاز میں تھا وہ یورپ سے کوئی بڑی ڈگری لے کر آئے تھے۔

راجا صاحب نے اپک کر ان سے ہاتھ ملا�ا اور قمر سے بولے "آپ اپنی نظم تو لائے ہوں گے؟"

قرنے جواب دیا "میں نے کوئی نظم تیار نہیں کی۔"

"جی اب تو آپ نے غصب ہی کرڈا۔ ارے بھلے آدی تواب ہی بیٹھ کر کوئی چیز لکھو، دو چار شعر ہی ہو جائیں۔ ایسے موقع پر نظم کا پڑھا جانا لازمی ہے۔"

"میں اس قدر جلد کوئی چیز نہیں لکھ سکتا۔"

"میں نے بیکارائے آدمیوں سے آپ کا تعارف کرایا۔"

"بالکل بیکار۔"

"اڑے بھائی جان، کسی پرانے شاعر ہی کی کوئی چیز سنادیجیے۔ یہاں کون جانتا ہے۔" جی نہیں، معاف فرمائیے۔ میں بیکار یا میراثی نہیں ہوں۔" یہ کہتے کہتے حضرت قمر وہاں سے چل دیے۔

گھر پہنچنے تو ان کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن نے خوش ہو کر پوچھا۔

"اتی جلدی کیونکر، چلے آئے؟"

"میری وہاں ضرورت نہ تھی۔"

"چہرہ کھلا ہوا ہے، خوب عزت افرائی ہوئی ہوگی؟"

”ایسی کہ خواب میں بھی امید تھی۔“

”خوب خوش ہو رہے ہو؟“

”اس لیے، کہ آج مجھے ہمیشہ کے لیے سبق مل گیا۔ میں چراغ ہوں اور جلنے کے لیے ہوں۔ میں یہ بات بھول گیا تھا۔ مگر خدا نے مجھے زیادہ بھکنے نہ دیا۔ میرا یہ جھوپڑا ہی میرے لیے جنت ہے۔ میں نے آج سمجھ لیا، کہ ادبی خدمت پوری عبادت ہے۔“

(آخری تھن)

مشق

1- درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

ii- حضرت قمر نے چائے کا پیا لایا تیر کیا۔

(الف) میں دفعہ ابالی ہوئی۔ (ب) تمیں دفعہ ابالی ہوئی۔

(ج) چالیس دفعہ ابالی ہوئی۔ (د) پچاس دفعہ ابالی ہوئی۔

iii- حضرت قمر کی رائے میں چائے میں دودھ ملانا

(الف) ہمارے ریسموں کی ایجاد ہے۔ (ب) ہمارے غریبوں کی ایجاد ہے۔

(ج) ہماری عموم کی ایجاد ہے۔ (د) ہمارے حکم رانوں کی ایجاد ہے۔

iv- حضرت قمر کی بیوی کا نام تھا۔

(الف) رضیہ (ب) رفیعہ (ج) نصیرہ (د) سعیدہ

v- قرصاحب کے پاس روپے کہاں سے آنے والے تھے؟

(الف) اخباروں سے (ب) دکانداروں سے (ج) ریسموں سے (د) شاعروں سے

2- مختصر جواب لکھیں۔

i- قرصاحب نے اپنے بیٹے کے بارے میں کیا کہا؟

ii- قرصاحب ریسم کے ہاں کیسے کپڑے پہن کر گئے؟

iii- قرصاحب ریسم کے ہاں جاتے وقت کن لوگوں سے ملے؟

iv- قرصاحب نے کارڈ مانگنے پر کیا کہا؟

v- قرصاحب نے انگریزی ادب کے بارے میں کیا کہا؟

vi- قرصاحب نے لکھنے پڑھنے کے کام کو عبادت کیوں کہا؟

vii- افسانہ لگانے اس افسانے کا نام ”ادیب کی عزت“ کیوں رکھا؟

3- پریم چند کے افسانے ”ادیب کی عزت“ کا خلاصہ لکھیے۔

اوَرْكُوت

جنوری کی ایک شام کو ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر مال روڈ پر پہنچا اور چیرنگ کراس پلے کار رخ کر کے خرماں خرماں پڑھی پر چلنے لگا۔ یہ نوجوان اپنی تراش خراش سے خاصاً فیشن اسٹبل معلوم ہوتا تھا۔ چکتے ہوئے بال، باریک باریک مونچیں گویا سر مے کی سلاٹی سے بنائی گئی ہوں، بادامی رنگ کا اوورکوت پینے ہوئے جس کے کاج میں شرمنی رنگ کے گلاب کا ایک آدھ کھلانا چکھوں انکا ہوا، سر پر بزرگیت ہیت ایک خاص انداز سے نیز ہمی رکھی ہوئی، سفید سلک کا گلو بند گلے کے گرد لپٹا ہوا، ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں، دوسرے میں بید کی ایک چھوٹی چھڑی پکڑے ہوئے ہے بھی بھی وہ مزے میں آ کے گھمانے لگتا تھا۔

یہ پختے کی شام تھی۔ بھرپور جاڑے کا زمانہ۔ سردار تنہ ہوا کسی تیز دھات کی طرح جسم پر آ کے لگتی تھی مگر اس نوجوان پر اس کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ لوگ خود کو گرم کرنے کے لیے تیز تیز قدم اخخار ہے تھے مگر اس کی ضرورت نہ تھی جیسے اس کو کڑک اتنے جاڑے میں اسے ٹھکنے میں بڑا مزاح آ رہا ہو۔

اس کی چال ڈھال سے ایسا بالکل پنچھتا تھا کرتا تھا لگے والے دور ہی سے دیکھ کر سر پٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کی طرف پکتے کروہ چھڑی کے اشارے سے ”نہیں“ کر دیتا۔ ایک خالی ٹیکسی بھی اسے دیکھ کر کی مگر اس نے ”تو ٹھینک یو“ کہ کر اسے بھی نال دیا۔ جیسے جیسے وہ مال کے زیادہ بار و نق حصے کی طرف پنچھتا جاتا تھا اس کی چوچھا بڑھتی ہی جاتی تھی۔ وہ منہ سے سیٹھی بجائے رقص کی ایک دھن نکالنے لگا۔ ایک دفعہ جب آس پاس کوئی نہیں تھا تو یہ بارگی کچھ ایسا جوش آیا کہ اس نے دوڑ کر جھوٹ موت بال دینے کی کوشش کی گویا کر کر کٹ کا بیٹھ ہو رہا ہے۔

راتے میں وہ مردک آئی جولانس گارڈن میں کی طرف جاتی تھی مگر اس وقت شام کے دھنڈ کے اور رخت کہرے میں اس باغ پر کچھ ایسی اداسی برس رہی تھی کہ اس نے اوہر کا رخ نہ کیا اور سیدھا چیرنگ کراس کی طرف چلتا رہا۔

اس نے اپنارہ مال نکالا ہے جیب میں رکھنے کے بجائے اس نے کوٹ کی بائیں آستین میں اُڑس رکھا تھا اور بلکہ بلکہ چہرے پر پھیرا تا کہ کچھ کچھ گرد جنم گئی ہو تو اتر جائے۔ پاس ہی گھاس کے ایک نکڑے پر کچھ بیچے ایک بڑی ہی گیند سے کھیل رہے تھے۔ وہ بڑی دلچسپی سے ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ بیچے کچھ دیر تک اس کی پروادا کیے بغیر کھیل میں مصروف رہے گر جب وہ برابر تکے ہی چلا گیا تو وہ رفتہ رفتہ

۔ Chairing Cross ۔ بخارب اسٹبلی ہال کے سامنے لاہور کا ایک مشہور چوک۔

۔ Lawrence Garden ۔ لاہور کا ایک معروف باعث ہے آج کل ”باغ جناح“ کہتے ہیں۔

شرمانے سے گئے اور پھر اچانک گیند سنپھال کر، پہنچتے ہوئے اور ایک دوسرے کے پیچے بھاگتے ہوئے گھاس کے اس گلڑے ہی سے چلے گئے۔

نوجوان کی نظر سیمٹ کی ایک خالی نیچ پر پڑی اور وہ اس پر آ کے بیٹھ گیا۔ اس وقت شام کے اندر میرے کے ساتھ ساتھ سردی اور بھی برصغیر جا رہی تھی۔ اس کی یہ ہدایت ناخوشنگوارت تھی۔

مال روڈ پر موڑوں اور بائیکلوں کا تانتا بندھا ہوا تو تھاہی پڑی پر چلنے والوں کی بھی کثرت تھی۔ علاوہ ازیں سڑک کی دوروں میں خرید و فروخت کا بازار بھی گرم تھا۔ جن کم نصیبوں کو نہ تفریح طبع کی امیطاً عت تھی نہ خرید و فروخت کی وہ دور ہی سے کھڑے کھڑے ان تفریح گاہوں اور دکانوں کی رنگارنگ روشنیوں سے جی بھلارہ ہے تھے۔

نوجوان سیمٹ کی نیچ پر بیٹھا اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے زن و مرد کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر ان کے چہروں سے کہیں زیادہ ان کے لباس پر پڑتی تھی۔ ان میں ہر وضع اور ہر قماش کے لوگ تھے۔ بڑے بڑے تاجر، سرکاری افسر، لیڈر، فن کار، کالمجھوں کے طلبہ اور طالبات، نریں، اخباروں کے نمائندے، دفتروں کے پابویز یادہ تر لوگ اور کوٹ لپینے ہوئے تھے۔ ہر قسم کے اور کوٹ، قراقی کے بیش قیمت اور کوٹ سے لے کر خاکی پٹی کے پرانے فونجی اور کوٹ تک جنیں بیلام میں خریدا گیا تھا۔
نوجوان کا اپنا اور کوٹ تھا تو خاصا پر انامگراس کا کپڑا اخوب بڑھیا تھا۔ پھر وہ سلا ہوا بھی کسی ماہر درزی کا تھا۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی بہت دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ کار خوب جما ہوا تھا لہبہ بانہوں کی کریز میں بڑی نمایاں، سلوٹ کہیں نام کو نہیں، بنیں سینگ کے بڑے بڑے چمکتے ہوئے۔ نوجوان اس میں بہت کم معلوم ہوتا تھا۔

ایک لڑکا پان بیڑی سگریٹ کا صندوقچہ گلے میں ڈالے سامنے سے گزر۔ نوجوان نے آواز دی۔

”پان والا۔“

”جنتاب۔“

”وس کا چینچ لے؟“

”ہے تو نہیں۔ لا دوں گا۔ کیا میں گے آپ؟“

”توٹ لے کے بھاگ گیا تو؟“

”اجی واہ! کوئی چوراچکا ہوں جو بھاگ جاؤں گا۔ اعتبار نہ ہو تو میرے ساتھ چلیے۔ میں گے کیا آپ؟“

”نہیں نہیں ہم خود چینچ لائیں گے۔ لو یہ اکنی نکل آئی۔ ایک سگریٹ دے دو اور چلے جاؤ۔“

لڑکے کے جانے کے بعد وہ سگریٹ کے کش لگانے لگا۔

ایک چھوٹی سی سفید رنگ کی بلی سردی میں بختری ہوئی نیچ کے نیچے اس کے قدموں کے پاس آ کر میاہوں میاہوں کرنے لگی۔ اس

نے پکارا تو اچھل کر نجت پر آچھی۔ اس نے پیار سے اس کی بیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا "پور لعل سول لے۔" اب سات نجت کے تھے اور وہ مال کی پڑی پر پھر پہلے کی طرح مژگشت کرتا ہوا اچلا جا رہا تھا۔ ایک ریستوران میں آرکشن نجت رہا تھا۔ اندر سے کہیں زیادہ باہر لوگوں کا تہوم تھا۔ ان میں زیادہ تمودروں کے ڈرائیور، کوچوان، پھل بیچنے والے جو اپنا مال نجت کے خالی توکرے لیے کھڑے تھے، پکھراہ گیر جو چلتے چلتے نہ ہر گئے تھے، پکھہ مزدوری پیش لوگ تھے اور کچھ گدا گر۔ نوجوان پل بھر کے لیے رکا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

راستے میں ایک چھوٹا سا بک شال پڑا۔ نوجوان یہاں بھی رکا۔ کئی تازہ رسالوں کے ورق ائے۔ رسالہ جہاں سے اٹھا تا بڑی اختیاط سے وہیں رکھ دیتا۔ اور آگے بڑھا تو قالینوں کی ایک دکان نے اس کی توجہ کو جذب کیا۔ ماںک دکان نے، جو ایک لمبا سا پختا پہنے اور سر پر کلاہ رکھتے تھا، گرم جوشی سے اس کی آؤ بھگت کی۔

"ذرایا ایرانی قالین دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُتاریے نہیں، نہیں دیکھوں گا۔ کیا قیمت ہے اس کی؟"

"چودہ سو تیس روپے۔"

"نوجوان نے اپنی ہننوں کو سیڑا جس کا مطلب تھا "اوہواتی!"

دکاندار نے کہا "آپ پسند کر لیجیے۔ ہم جتنی بھی رعایت کر سکتے ہیں کر دیں گے۔"

"شکریہ، لیکن اس وقت تو میں صرف ایک نظر دیکھنے آیا ہوں۔"

"شوق سے دیکھئے۔ آپ ہی کی دکان ہے۔"

دو تین منٹ کے بعد اس دکان سے بھی نکل آیا۔ اس کے اوورکوت کے کاج میں شرتی رنگ کے گلاب کا جو ادھ کھلا پھول انکا ہوا تھا۔ وہ اس وقت کاج سے کچھ زیادہ باہر نکل آیا تھا۔ جب وہ اس کو تھیک کر رہا تھا تو اس کے ہننوں پر ایک خفیف اور پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے پھر اپنی مژگشت شروع کر دی۔

اب وہ بائی کو رٹ کی عمارتوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اتنا کچھ چل لینے کے بعد بھی اس کی طبیعت کی چونچاں میں کچھ فرق نہیں آیا تھا، نہ دکان محسوس ہوئی تھی نہ اکتا ہے۔ یہاں پڑی پر چلنے والوں کی ٹولیاں کچھ چھٹ سی گئی تھیں اور ان میں کافی فاصلہ رہنے لگا تھا۔ اس نے اپنی بیدکی چھڑی کو ایک انگلی پر گھمانے کی کوشش کی تھیں اور چھڑی زمین پر گر پڑی۔ "اوسری گلے" کہ کرز میں پر جھکا اور چھڑی کو اٹھا لیا۔-----

نوجوان نے شام سے اب تک اپنی مژگشت کے دوران میں جتنی انسانی شکلیں دیکھی تھیں ان میں سے کسی نے بھی اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف نہیں کیا تھا۔ فی الواقع اس کی تھیں اپنے حال میں ایسا مست قا کہ کسی دوسرے سے اسے سر دکاری نہ تھا مگر ابھی اس نے آدمی ہی سڑک پار کی ہو گئی کہ ایٹھوں سے بھری ہوئی ایک لاری بیچنے سے گولے کی طرح آئی اور

اے رومنتی ہوئی میکلوڈ روڈ^۱ کی طرف نکل گئی۔ لاری کے ڈرائیور نے نوجوان کی چین سن کر پل بھر کے لیے گاڑی کی رفتار کم کی۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی لاری کی پیٹ میں آگیا اور وہ رات کے اندر ہیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاری کو لے بجا گا۔ دو تین راہ گیر جو اس حادثے کو دیکھ رہے تھے، شور چانے لگے ”نبرد بھکو، نبرد بھکو“، مگر لاری ہوا ہو بھکی تھی۔

انتہے میں کمی اور لوگ جمع ہو گئے۔ ٹرینک کا ایک اسپکٹر جو موڑ سائیکل پر جا رہا تھا رک گیا۔ نوجوان کی دونوں ٹانکیں بالکل کچل گئیں۔ بہت ساخون نکل چکا تھا اور وہ سکر رہا تھا۔ فوراً ایک کار کو روکا گیا اور اسے چیزیں تیسے اس میں ڈال کر ہسپتال روانہ کر دیا گیا جس وقت وہ ہسپتال پہنچا تو اس میں ابھی رعنی بھرجان باقی تھی۔ اس ہسپتال کے شعبہ حادثات میں استنشت سرجن^۲ مسٹر خان اور دونوں عمر زمیں مس شہناز اور مس گل ڈیوٹی پر تھیں۔ جس وقت اسے سرچ پر ڈال کے آپریشن روم^۳ میں لے جایا جا رہا تھا تو ان نرسوں کی نظر اس پر پڑی۔ اس کا بادا می رنگ کا اور کوت ابھی تک اس کے جسم پر تھا اور سفید سلک کا مغلہ گلے میں پہنچا ہوا تھا۔ اس کے کپڑوں پر جام جاخون کے بڑے بڑے دبے تھے۔ کسی نے از راؤ درومندی اس کی سبز فیلٹ ہیٹ اٹھا کے اس کے سینے پر رکھ دی تھی تاکہ کوئی اڑان لے جائے۔

شہناز نے گل سے کہا ”کسی بھلے گھر کا معلوم ہوتا ہے بے چارہ۔“

گل دبی آواز میں بولی ”خوب بن ٹھن کے لکھا تھا بے چارہ۔“

”ڈرائیور پکڑا گیا یا نہیں؟“

”نہیں، بھاگ گیا۔“

”کتنے افسوس کی بات ہے۔“

آپریشن روم میں استنشت سرجن اور زمیں چہروں پر جراحی کے نقاب چڑھائے جھنوں نے ان کی آنکھوں سے یونچے کے سارے حصہ کو چھپا رکھا تھا، اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ اسے سنگ مرمر کی میز پر لٹا دیا گیا۔ اس نے سر میں جو تیز خوش یو دار تیل ڈال رکھا تھا اس کی کچھ کچھ مہک ابھی تک باقی تھی۔ پیاس ابھی تک جبی ہوئی تھیں۔ حادثے سے اس کی دونوں ٹانکیں تو نوث پچھی تھیں مگر سرکی مانگ نہیں ہگلنے پائی تھی۔

اب اس کے کپڑے اتارے جا رہے تھے۔ سب سے پہلے سفید سلک کا گلو بند اس کے گلے سے اتارا گیا۔ اچانک نرس شہناز اور نرس گل نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔ چہرے، جودوں کی یقینات کا آئینہ ہوتے ہیں جراحی کے نقاب ستلے چھپے ہوئے تھے اور زبانیں بند۔

نوجوان کے گلو بند کے یونچے نکلائی اور کار لتو کیا، سرے سے قیص ہی نہیں تھی۔ اور کوت اتارا گیا تو یونچے سے ایک بوسیدہ اونی سویٹر لکھا جس میں جام جابرے بڑے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں سے سویٹر سے بھی زیادہ بوسیدہ اور میلا کچیلا ایک بنیان نظر آ رہا تھا۔ نوجوان سلک کے گلو بند کو کچھ اس ڈھب سے گلے پر لپیٹے رکھتا تھا کہ اس کا سارا سینہ چھپا رہتا تھا۔ اس کے جسم پر میل کی تہیں بھی خوب چڑھی

۱ Mcleod Road۔ لاہور کی ایک مشہور سڑک جو ریلوے شیشن تک جاتی ہے۔

۲ Assistant Surgeon۔ معاون سرجن۔ ۳ Stretcher۔ جس پر لانا کر مریض کو لے جاتے ہیں۔

۴ Operation Room۔ کراچیاں آپریشن کیے جاتے ہیں۔

ہوئی تھیں۔ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کم سے کم پچھلے دو مینے سے نہیں نہیا۔ البتہ گرون خوب صاف تھی اور اس پر بلکہ لکا پوڑ رکا ہوا تھا۔ سو یہ اور بنیان کے بعد پتوں کی باری آئی۔ پتوں کو پیٹی کے بجائے ایک پرانی دھنی سے جو شاید کبھی عطا کیا ہو گی خوب کس کے باندھا گیا تھا۔ بن اور بکسوئے غائب تھے۔ دونوں جنہوں پر سے کپڑا مسک گیا تھا اور کئی جگہ کھو چکیں بھی گئی تھیں مگر چونکہ یہ ہے اور کوٹ کے نیچے رہتے تھے اس لیے لوگوں کی ان پر نظر نہیں پڑتی تھی۔

اب بوٹ اور جراہوں کی باری آئی اور ایک مرتبہ پھر مس شہناز اور مس گل کی آنکھیں چار ہوئیں۔

بوٹ تو پرانے ہونے کے باوجود خوب چک رہے تھے مگر ایک پاؤں کی جراث و در سے پاؤں کی جراث سے بالکل مختلف تھی۔ پھر دونوں جرائیں پھٹی ہوئی بھی تھیں۔ اس قدر کہ ان میں سے نوجوان کی میلی میلی ایڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

بلاشہ اس وقت تک وہ دم توڑ چکا تھا۔ اس کا جسم سنگ مرمر کی میز پر بے جان پڑا تھا۔ اس کا چہرہ جو پہلے چھت کی سمت تھا کپڑے اتارنے میں دیوار کی طرف ملا گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ جسم اور اس کے ساتھ روح کی اس برہنگی نے اسے خل کر دیا ہے اور وہ اپنے ہم جنسوں سے آنکھیں چرار ہا ہے۔

اس کے اور کوٹ کی مختلف جیبوں سے جو چیزیں برآمد ہوئیں وہ یہ تھیں:

ایک چھوٹا سا یہ سکنگھا، ایک رومال، ساڑھے چھٹے آنے، ایک بجھا ہوا آدھا سگریٹ، ایک چھوٹی سی ڈائری جس میں لوگوں کے نام اور پتے لکھے تھے، نئے گراموفون ریکارڈوں کی ایک ماہانہ فہرست اور کچھ اشتہار جو مژگشت کے دوران میں اشتہار پانٹے والوں نے اس کے ہاتھ میں تھا دیے تھے اور اس نے انھیں اور کوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

افسوں کے اس کی بید کی چھڑی جو حادثے کے دوران میں کہیں کھو گئی تھی، اس فہرست میں شامل نہ تھی۔

(جاڑے کی چاندنی)

مشق

1- افسانہ "اوورکوت" کا متن پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں میں سے درست لفظ کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کریں:

- i- جب وہ برابر چلا گیا تو رفتہ رفتہ وہ شرمنے سے لگے۔ (سکے، دیکھے، گھوڑے)
 - ii- نوجوان اپنی سے خاصاً فیشن اسبل معلوم ہوتا تھا۔ (تراش خراش، صورت، ٹکل)
 - iii- نوجوان نے کو سیڑا جس کا مطلب تھا "اوہوتی"۔ (بھنوں، ہونٹوں، کندھوں)
 - iv- اُس کے ہونٹوں پر ایک اور پہ اسرا مسکرا ہٹ نمودار ہوئی۔ (خفیف، لطیف، عجیب)
- 2- نیچے دیے گئے سوالات اور سبق "اوورکوت" کو پیش نظر کر کر درست جواب کے شروع میں "✓" لگائیں۔

- i- افسانہ "اوورکوت" کا مصنف کون ہے؟
 (ا) پرم چند (ب) افضل حق (ج) غلام عباس (د) ممتاز مشقی
 ii- نوجوان نے "اوورکوت" کیوں پہن رکھا تھا؟
 (ا) کیوں کاس کے پاس کوئی اور لباس نہ تھا۔ (ب) کیوں کہ جائزے کا موسم تھا۔
 (ج) خوب صورت نظر آنے کے لیے۔ (د) اپنی اصلاحیت کو چھپانے کے لیے۔
- iii- گلو بند اتارنے کے بعد زسوں نے ایک دوسرے کی طرف کیوں دیکھا؟
 (ا) کیوں کہ گلو بند بے حد خوب صورت تھا۔ (ب) کیوں کہ گردان پر گلو بند کا نشان تھا۔
 (ج) کیوں کہ گلو بند پھٹ گیا تھا۔ (د) کیوں کہ گلو بند کے یتھے قیصہ ہی نہ تھی۔
- iv- نوجوان کی پتلوں کیسی تھی؟
 (ا) بالکل عامی اور سادہ۔ (ب) پرانی اور جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی۔
 (ج) نہایت شاندار۔ (د) پچھلی پرانی اور بکسوؤں کے بغیر۔
- v- "اوورکوت" کا اختتام کس چیز کے ذکر پر ہوا؟
 (ا) فیلٹ ہیٹ پر۔ (ب) بیدکی چیڑی پر۔
 (ج) اوورکوت پر۔ (د) گلو بند پر۔
- vi- افسانہ نگار نے کس اوورکوت کو نیلام کا کہا؟
 (ا) ترقائی اوورکوت کو۔ (ب) عوامی اوورکوت کو۔
 (ج) خاکی پٹی کے پرانے فوجی اوورکوت کو۔ (د) خاکی پٹی والے اوورکوت کو۔

vii- سفید ملی دکپہ کرنو جوان نے کیا کہا؟

- (ا) پولل سول!
(ب) نو، چینک یا!
(ج) گڈا یونگ!

viii- نوجوان کو عادش کس سڑک پر جاتے ہوئے پیش آیا؟

- (ا) ڈیوس روڈ پر
(ب) لارنس روڈ پر
(ج) مال روڈ پر
(د) میکلوڈ روڈ پر

- 3- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں جو تمین سطروں سے زائد ہوں۔

i- مزگشت کرنے والے نوجوان کا ظاہری حیلہ کیا تھا؟

ii- افسانہ "اوورکوت" میں اوورکوت کن خصوصیات کا حامل تھا؟

iii- نوجوان نے اوورکوت کے علاوہ کیا کچھ زیب تن کر کھا تھا؟

iv- نوجوان کے اوورکوت کی جیب سے کون کون سی چیزیں برآمد ہوئیں؟

v- افسانہ نگار نے "اوورکوت" میں کن سڑکوں کا ذکر کیا ہے؟ ان کے نام لکھیے۔

vi- اس افسانے میں اگر بڑی زبان کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کے معنی لکھیں۔

- 4- افسانہ "اوورکوت" کا خلاصہ تحریر کریں جو اصل کے ایک تہائی سے زائد ہو۔

5- مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیں:

شام، لمبی لمبی، باریک باریک، سرد، بارونق۔

6- اپنے کالج میں بزمِ ادب یا شیووریل گروپ میں اپنے تحریر شدہ یا اپنے پسندیدہ افسانے فردا فردا پڑھ کر سنائیں۔

7- اپنے کالج میگزین کے لیے کوئی افسانہ لکھیں۔

8- غلام عباس کا افسانہ "بہروپیا" یا "کتبہ" پڑھیں اور اپنے تاثرات اپنی ڈائری میں لکھیں۔

سفریں

محنت کی بڑی گلی کے موڑ پر تین چار تانگے ہر وقت موجود رہتے ہیں مگر اس روز میں موڑ پر آیا تو وہاں ایک بھی تانگا نہیں تھا۔ مجھے خاصی دور بھی جانا تھا اور جلدی بھی پہنچا تھا، اس لیے تانگے کا انتفار کرنے لگا۔ تانگے تو بہت سے گزرے گرسب لگے ہوئے تھے۔ اچانک میں نے فیکے کو چوان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو پکارا ”بھی فیکے تانگا کہاں ہے؟ تانگا لا دنا۔“

”تانگا تو بابو جی، آج نہیں جوڑا ہے۔“ فیکے نے جواب دیا۔

میں نے دیکھا کہ فیکا جو کو چوان کا کو چوان اور پہلوان کا پہلوان تھا اس نے آج شیو بھی نہیں بنایا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی سر سے سے محروم تھیں اور بولٹی کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ ”کیا بات ہے فیکے؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ بولا: ”بابو جی ایک کام ہے۔“

”ہاں ہاں کہو۔“ میں نے کہا

”کام یہ ہے بابو جی کہ آپ میرے بابا کو تو جانتے ہیں نا؟“ فیکا بولا۔ ”اس کی ایک آنکھ چلی گئی ہے۔“

”اوہ ہو: مجھے دکھ ہوا۔ کیسے گئی؟ کیا کوئی حادثہ ہوا؟“

”بھی نہیں،“ فیکے کے چہرے پر بھول پن کا چھیننا پڑ گیا۔

”لال لال تو وہ ہر وقت رہتی تھی اور اس میں سے پانی بہتار ہتا تھا۔ آپ تو جانتے ہیں۔ آپ تو بابا کے ساتھ کتنی بار تانگے پر بیٹھے ہیں۔ تو بابو جی کل کیا ہوا کہ بابا مصری شاہ میں سے گزر اتو ایک حکیم سرمه نیچ رہا تھا۔ بابا یہ سرمه لے آیا اور ہمیں بتایا کہ اس سے آنکھ کی لالی جاتی رہے گی۔ حکیم نے خدار رسولؐ کی حتم کھا کے کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ نہ جائے تو قیامت کے دن مجھے گردن سے پکڑتا۔ میں نے بھی کر دیا کہ حکیم خدار رسولؐ کو چیز میں ڈال رہا ہے تو ڈرا سا گا لے۔ اماں نے بھی یہی صلاح دی۔ اُس نے ”القمان حکیم، حکمت کا بادشاہ، پڑھا اور آنکھ میں سلاٹی پھیر لی۔ بس پھر کیا تھا بابو جی، حتم کھا کر کہتا ہوں جب سے اب تک آنکھ گلی ہو۔ بابو جی، آپ تحکم تو نہیں گئے؟ سگریت والے کی کری اخلاقاً کوں؟“

اس وقت فیکا مجھے ایسا لگا جیسے اس کے چوڑے چکلے سینے پر گذے کا جیر ان سر رکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا: ”تم بھی حد کرتے ہو فیکے۔ اب آگے بھی کہونا۔“

فیکے کی آنکھوں میں ممنونیت کی نمی جاگی۔ وہ بولا: ”بس بابو جی خدا آپ کا بھلا کرے۔ رات تو جنچ چاخ کے گزار دی۔ پھر صبح کو محلے کے سارے کو چوان اکٹھے ہوئے تو ان میں سے بچا شیدے نے کہا کہ پوسٹ کے ڈوڈے پانی میں البا اور اسی پانی سے آنکھ دھو د۔ دھوئی پر بابا اسی طرح ترپاڑا رہا۔ پھر کسی نے کہا کہ پاک کا ساگ آپا کر پاندھو، پاندھا اور جب کھولتا تو بابا نے صاف کہہ دیا کہ اب کیا جتن کرتے ہو آنکھ کا دیا تو بھج گیا۔ ہمارے گھر میں تو پھر پڑ گئی بابو جی۔ اُسے ایک ہسپتال میں لے گئے، پھر درسرے میں لے گئے۔ دونوں میں جگہ نہ تھی۔ دو پھر کو راج گڑھ کے ایک کو چوان نے بتایا کہ اس کا سالا میو ہسپتال میں چوکی دار ہے۔ اُس کی سفارش سے جگہ تو مل گئی پر برائٹے میں۔ وہ بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ پر بابو جی شام ہونے کو آئی ہے اور ابھی تک کوئی ڈاکٹر تو کیا کوئی نہ سمجھی اور نہیں آئی۔ آپ صاحب لوگ ہیں یہ دیکھیے ہاتھ باندھتا ہوں۔ میرے ساتھ چل کر کسی ڈاکٹر سے یہ کہ دیجیے کہ صدیقے مریض کو ذرا سا دیکھ لے۔“

میں نے کہا ”وہاں ایک ڈاکٹر ہے، ڈاکٹر عبدالجبار۔ ان سے میر اسلام کہو۔ کام ہو جائے گا۔ نہ ہوا تو کل میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اس وقت مجھے ایک دعوت میں جاتا ہے، نام یاد کر لو ڈاکٹر عبدالجبار۔“

فیر کا میرے بہت سے شکر یے ادا کر کے چلا گیا۔ پھر مجھے ایک خالی تانگا میو ہسپتال کے صدر دروازے کے سامنے سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ فیر کا ایک چوکی دار سے با تین کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر جبار کا پاتا پوچھ رہا ہوگا۔ ایک باروں میں آئی کہ ہسپتال جا کر جبار صاحب سے کہ دوں مگر اب تانگا آگے نکل گیا تھا اور مجھے پہلے ہی دیر ہو گئی تھی۔

پچھے دور جا کر گھوڑا بھسل کر گرا اور دس منٹ تک گرا رہا۔ پھر جب اٹھا اور چلنے لگا تو یہاں کیک جبار صاحب کا سکرٹری میرے ہاتھ کے قریب سے زن سے گزر گیا۔ ”جبار صاحب!“ میں چلایا مگر جبار صاحب میری آواز سے تیز نکلے۔

کوئی بات نہیں، میں نے سوچا، کل کہ دوں گا۔ کل پہلا کام ہی بھی کروں گا۔

رات کو میں گھروپ اپ آیا تو معلوم ہوا کہ فیر کا کوچوان آیا تھا اور کہ گیا تھا کہ بابو آئیں تو مجھے بلا لیں۔

میں نے سوچا، اس وقت کون بلائے۔ اگر جبار صاحب ہسپتال ہی کو جاری ہے تھے اور فیکے کا کام ہو گیا ہے تو شکر یہ صبح قبول کروں گا اور اگر کام نہیں ہوا تو جو بھی کوشش ہو گی صبح ہی کو ہو گی۔ صبح کو میں ابھی بستر سے نہیں نکلا تھا کہ فیکے نے دروازہ لکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ رات جبار صاحب ڈیوٹی پر نہیں تھے۔ ان کی ڈیوٹی آج دن کی ہے۔

”یعنی تمہارا باپ دس بھر کی اس سردی میں برآمدے ہی میں پڑا رہا؟“ میں نے اپنے انداز میں تشویش ظاہر کی۔

”بھی ہاں“ وہ بولا ”مگر یہ تو کوئی ایسی بات نہیں بابو جی۔ آپ نے ہمارا گھر نہیں دیکھا۔ دس سال سے چھپر میں پڑے ہیں۔“

”اور اس کی آنکھ؟“ میں نے پوچھا۔

Mayo Hospital لاہور کا سب سے بڑا ہسپتال جو دنیا بھر میں مشہور ہے۔

”وہ تو چلی گئی بایو جی۔“ فیکا یوں بولا جیسے اس کے باپ کی آنکھ کو ضائع ہوئے بر سوں گزر چکے ہیں۔

میں نے کہا: ”جب آنکھ جاہی چکلی ہے تو بے چارے بذھے کو ہسپتال میں کیوں گھینٹتے پھرتے ہو؟ وقت بھی ضائع ہو گا روپا یا بھی ضائع ہو گا۔“

فیکا بولا: ”بابو جی کیا پتا آنکھ کے کسی کو نے گھدرے میں بینائی کا بھورا پڑا رہ گیا ہو۔ دیکھیے چولھا بجھ جاتا ہے تو جب بھی درستک را کھی میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ کیا پتا کوئی چنگاری سنگ رہی ہو۔“

میں اس بات سے چونکا۔ آج تک فیکے نے مجھ سے صرف چارے کی مہنگائی اور آٹے میں ملاوٹ کے موضوع پر باتیں کی تھیں۔ پھر وہ عاجزی سے بولا ”ذراسامیرے ساتھ چلے چلے۔“

میرے جسم میں نیندا بھی پوری طرح غائب نہیں ہوئی تھی۔ پھر نہنا تھا۔ شیو کرنا تھا۔ چائے پینی تھی۔ میں نے کہا ”میں تھیں اپنا کارڈ دیے دیتا ہوں۔ وہ ڈاکٹر جگار کو دکھادو۔ بڑے یار آدمی ہیں۔ فناٹ کام کر دیں گے۔ تمہارا باپ ایک بار وارڈ میں چلا جائے، پھر علاج کے لیے تو میں خود جا کر کھوں گا۔“

وہ مجھ سے کارڈ لے کر یوں چلا جیسے دنیا ہبھاں کی دولت سمیئے لیے جا رہا ہے۔ میں نے کارڈ پر لکھ دیا تھا۔ جگار صاحب اس کا کام کر دیجیے، بے چارا بڑا ہی غریب آدمی ہے۔ دعا میں دے گا۔ اور مجھے یقین تھا کہ کام ہو جائے گا۔ ڈاکٹروں کو صرف اتنا ہی تو دیکھنا تھا کہ آنکھ پوری طرح بجھ گئی ہے یا تھوڑی بہت رمق باقی ہے۔

میں دن بھر گھر سے غائب رہا اور فیکا دن بھر میرے گھر کے چکر کا ثانرا ہا۔ شام کو اس نے مجھے بتایا کہ ”جگار صاحب بیٹھے تو ہیں پر کوئی اندر نہیں جانے دیتا۔ کہتے ہیں باری سے آؤ اور میری باری آتی ہی نہیں۔ گھنٹا پا جائے میں سے جھاںک رہا ہو تو باری کیسے آئے بایو جی۔“

فیکے نے مجھے ایک بار پھر چونکا دیا۔ نہ جانے پہلو ان فیکے کے اندر یہ حساس فیکا اتنے بر سوں سے کہاں چھپا بیٹھا تھا۔

میں نے وعدہ کیا کہ کل ضرور چلوں گا۔ اب تو شام ہو گئی ہے۔

دوسرے دن سویرے ہی مجھے شخنوپورے جانا پڑ گیا۔ رات کو واپس آیا تو معلوم ہوا کہ فیکا آیا تھا۔

اس کے بعد تین دن تک میں نے زیادہ وقت گھر میں گزارا مگر فیکا نہ آیا۔ چوتھے روز میں نے گلی کے موڑ پر ایک کوچوان سے فیکے کے باپ کا پوچھا تو معلوم ہوا کہ اسے وارڈ میں جگہ مل گئی ہے۔ اتنے میں فیکا بھی آنکلا۔ مجھے ذرا سی ندامت تھی، اس لیے جھوٹ بولنا پڑا۔ ”کیوں فیکے، جگار صاحب نے کام کر دیا نا؟“

وہ بولا۔ ”مگر بابو جی، وہ تو مجھ سے ملے ہی نہیں۔“

میں نے فوڑا کہا۔ ”میں نے انھیں فون کر دیا تھا۔“

فیکے کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں ممنونیت کی ننی جاگ آئی۔ ”جبی میں کہوں نہ بار بار یہ کیوں کہ رہی ہے کہ دیکھو، بدھے کو تکلیف نہ ہو۔“

پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ میرے قدم آہستہ آہستہ اندر ہے تھے مگرہ، ہن جیسے ٹکست کھا کر بھاگا جا رہا تھا۔ رات کو نیند نے نہ امت دور کر دی مگر صحیح ہی فیکا دروازے پر موجود تھا۔ بولا ”آپ کی سہ رانی سے داخلہ تو مل گیا تھا پر اب انھوں نے بابا کو کوٹ لکھپت کے ہستال میں بھج دیا ہے۔ یہ تو برا غصب ہوا بابو جی۔ آج میں اماں کو ساتھ لے کر گیا۔ دور و پہلی ہو گئے۔ کچھ ہو سکے تو کیجیے۔“

میں نے کہا۔ ”میں ابھی جا کر ڈاکٹر جارکوفون کرتا ہوں۔“

میں نے فون کیا بھی مگر ڈاکٹر صاحب مل نہ سکے۔ پھر مصروفیتوں میں بات آئی گئی ہو گئی۔ پانچ چھتے روز بعد میں نے فیکے کو دیکھا تو سوچا کہ نظریں چڑا کے ساتھ والی گلی میں مژہ جاؤں اور وہاں سے بھاگ نکلوں۔ مگر فیکا پاپ کر میرے پاس آیا اور بولا۔ ”بابو جی، سمجھ میں نہیں آتا آپ کے کس کس احسان کا بدل اتا رہا گا۔“

جمبوت نے میری نہامت کو دکان سے پکڑ کر ایک طرف ہٹا دیا۔ ”واپس آگیا تا تمہارا بابا؟“

فیکا بولا۔ ”واپس بھی آگیا اور اپریشن بھی ہو گیا۔ جمعے کو پینی کھل رہی ہے۔ دعا کیجیے۔“

میں نے کہا۔ ”الشرحم کرے گا۔“

پھر وہ جمعہ کی شام کو آیا تو بولتے ہی زار زار دو نے لگا۔ ”بابو جی غصب ہو گیا پہلی توپا چلا۔ ایک آنکھ تو گئی ہی تھی، دوسری پر بھی اٹڑ پڑ گیا ہے۔ کہتے ہیں اب پہلے اپریشن کا زخم ملے تو دوسرا اپریشن ہو گا اور دوسری آنکھ کا بھی ہو گا۔“

میں نے اسے تسلی دی اور اسے ساتھ لے کر سامنے تھی ایک دکان سے ڈاکٹر جارکوفون کیا مگر بد صحت سے وہ فون پر موجود نہ تھے۔

پھر میں نے اس سے وعدہ کیا کہ کل جا کر ڈاکٹر جارکوفون سے ملنے والے تو انھیں گھر میں جا پکڑوں گا۔

دوسرے دن میں جاتونہ سکا البتہ ڈاکٹر جارکوفون ضرور کیا۔ وہ پھر غائب تھے۔

ادھر فیکا بھی غائب ہو گیا۔

شاپید و دھاکی تختے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ تو کرنے آکر بتایا کہ فیکا کو چوان آیا ہے۔ میں نے بھی اسے کھڑکی میں سے دیکھ لیا۔ بالکل ہلدی ہو رہا تھا۔

میں نے تو کر سے پوچھا۔ ”کیا تم نے اسے بتا دیا ہے کہ میں موجود ہوں؟“

”بھی ہاں۔“ نوکر بولا۔ ”بس میرے منہ سے نکل گیا۔“

”بڑے انھیں آدمی ہو۔“ میں نے اسے ڈاٹا اور کہا۔ ”جاؤ کہ دو کپڑے بدلتے ہیں۔ آتے ہیں۔“

کپڑے تو میں نے بدلتے ہیں اپنے تیور بدلنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر اچاک ٹک خیال آیا کہ لتنا چھوٹا آدمی ہوں دو پیسے یا دو روپے یا چلو دلا کھکی بھی بات نہیں۔ دو آنکھوں کی بات ہے اور میں جمبوت بولے جا رہا ہوں۔ مجھے فیکے کے سامنے اعتراض کر

لینا چاہیے کہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ پھر میں نے وہ فقرے سوچ جو مجھے فیکے کے سامنے اس انداز سے ادا کرنے تھے کہ اسے پچی بات بھی معلوم ہو جائے اور اسے دکھنی نہ ہو۔

میں باہر آیا تو فیکا بولتے ہی زار زار ورنے لگا۔ با بوجی! کچھ بھی میں نہیں آتا کہ، کچھ بھی میں نہیں آتا.....، اس کی آواز بھر گئی۔
میرے سوچے ہوئے فقرے ایک دوسرے سے گھنٹم سختا ہو گئے بمشکل میں نے کہا۔ فیکے بات یہ ہے فیکے کہ..... بات یہ ہے“
آنسوؤں سے بھی گہوا، پھوپھو کی طرح گول گول سرخ چہرہ لیے فیکا اخما اور بولا ”با بوجی! کچھ بھی میں نہیں آتا۔ میں غیر یہ ادا کروں تو کیسے کروں۔“ میرا بابا نھیک ہو گیا ہے۔ اس کی دونوں آنکھیں تھیک ہو گئی ہیں۔ اے بینائی اللہ نے دی ہے اور آپ نے دی ہے۔ آپ نے مجھے خرید لیا ہے با بوجی۔ قسم خدا کی میں عمر بھر آپ کا نوکر رہوں گا۔“

اور میں نے ایک بہت لمبی، بہت گہری سانس لے کر کہا۔ ”کوئی بات نہیں فیکے۔ کوئی بات نہیں۔“

(کپاس کا پھول)

مشق

- افسانہ ”سفارش“ پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملے مکمل کریں۔
 - جی نہیں فیکے کے چہرے پر کا چیننا پڑ گیا۔
 - فیکے کی آنکھوں میں کی نی جا گی۔
 - کیا پتا آنکھ کے کسی کوئے کھدرے میں کا بھورا پڑا رہ گیا ہو۔
 - گھنٹا پا جائے میں سے رہا ہو تو باری کیسے آئے با بوجی۔
 - جھوٹ نے میری کو کان سے پکڑ کر ایک طرف ہٹادیا۔
- ”سفارش“ کا متن مدد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں جو تین سطور سے زائد ہوں۔
 - فیکے کے باپ کی بینائی کیوں جاتی رہی؟
 - سفارش کرنے والے نے ”کارڈ“ پر کیا لکھا؟
 - سفارش کرنے والے نے فیکے کی موجودگی میں ڈاکٹر چارکوکب فون کیا؟
 - سفارش کرنے والے نے اپنے نوکر کو کیوں ڈانتا؟
 - فیکے نے عمر بھر مصنف کا نوکر رہنے کا اعلان کیوں کیا؟
- ”سفارش“ کا مرکزی خیال تحریر کریں۔
- ”سفارش“ کا خلاصہ تحریر کریں جو افسانے کے اصل متن کے ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔
- سیاق و مہماق کے حوالے سے درج ذیل پیراگراف کی تشریح کریں:
فیکے کی آنکھوں میں ممنونیت کی نی جا گی..... مریض کو ذرا ساد کیجھ لے۔

چراغ کی لو

شام کی برقی ہوئی ادا ساریکی میں سامنے کی ہر چیز آہستہ آہستہ دھنڈ لی پڑتی جا رہی تھی۔ اس نے نظریں پھرا پھرا اکر بغیر پلستر کی دیواروں کو دیکھنا شروع کیا جوانہ دھیرے میں ڈوب کر بھیا نک ہوتی چلی جا رہی تھیں جیسے وہ سیاہ رنگ میں نہا گئی ہوں!..... اندھرا اور تباہی! اس کا جی اتنے کا تو کھانستی ہوئی انٹھ کر بینگنی..... اسے اپنے باپ کا انتظار تھا جو کام پر سے آ کر جانے کہاں چلا بنا تھا۔

”نہ جانے کہاں بیٹھ رہے ابا؟ یہ خیال نہیں آتا کہ اکیلے گھر میں جی گھبرا تا ہو گا میرا۔“ وہ چھبھلاہٹ میں رہ رہ کر بس یہی سوچ رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ زور زور سے رو نے لگے۔ لیکن آنسوؤں کا ذخیرہ جیسے حلق میں انک کر رہ گیا تھا۔ اس سے رویا بھی نہ گیا۔

اس نے دوبارہ الجھ کر اوہر اور دیکھنا شروع کیا تو ہر طرف بس یوں نظر آنے لگا جیسے نئے سفید کپڑوں میں لپٹنے ہوئے ڈھانچے سامنے کی اندھیری کو خڑی سے نکل نکل کر سارے گھر میں گھوم پھر رہے ہوں..... اس کے ذہن پر ان ڈھانچوں کی ہڈیوں کی جنچ اور نئے سفید کپڑوں کی مدھم کھڑکھڑا ہٹ اس طرح چھا گئی کہ وہ آنکھیں جھیکھ کر دوبارہ چارپائی پر لڑکھ گئی..... بالکل بے حس و حرکت جیسے اس کا دم ہی نکل گیا ہو..... سفید کپڑوں میں لپٹنے ہوئے ڈھانچوں کی ہڈیوں کی جنچ اور کپڑوں کی کھڑکھڑا ہٹ۔ یہ تو بس اس کا وہم ہی وہم تھا۔ کچھ دنوں سے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ بھی بہت کمزور ہو گیا تھا۔ رات تو خیرات ہی تھی۔ وہ دن دو پہر بھی آنکھیں کھول دیں۔ جب کچھ نظر نہ پڑا تو مری ہوئی آواز میں بولی۔

”کون ہے؟“

”میں ہوں اچھن۔“ یہ اس کے باپ کی آواز تھی۔

”کہاں تھے ابا؟ میرا دل اکیلے میں گھبر رہا تھا۔“ اس نے شکایت کی تو جیسے اس کے حلق میں آنسوؤں کا ذخیرہ دوبارہ پھنس گیا اور آنکھیں تپنگلیں۔

”ذرکام سے گیا تھا..... چراغ نہیں جلا یا؟“ باپ نے چارپائی کے پائے سے ٹھوکر کھائی تو جھلا کر پوچھا اور اپنی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

”دیا سلامی نہیں تھی۔“

”یہ لو دیا سلامی۔“ باپ نے جیب سے دیا سلامی نکال کر ایک بیڑی سلاکی تو دیا سلامی کی روشنی میں اس کا چہرہ بڑا وحشت زده

سانظر آیا۔ ابھی ہوئی کھڑی ڈاڑھی، ہونٹوں پر اونڈھی ہوئی موجھیں، کیروں سے پٹی ہوئی پیشانی اور اپنی ہوئی آنکھیں۔ تین جل کر ایک نجی سرخ کمان کی طرح خم کھانگی اور چر مراتی ہوئی بیڑی کا دھوان چھوٹے سے آنکن میں پھیل گیا۔

”اوں..... نہہ اوں“ وہ کھنچتی ہوئی پٹی پر زور دے کر انھی پٹی۔ بیڑی کے دھویں سے اس کا جی متلا رہا تھا۔

”کیا جی ہے اچھن؟“ باپ نے بیڑی کا ایک طویل کش لیا تو بلکل ہی سرخ روشنی میں اس کی اپنی ہوئی آنکھیں چمک گئیں۔

”بیڑی نہ پیو بابا!..... اس کے دھویں سے میرا جی المتابے“ اور وہ اپنے بخار سے بھاری سر کو کندھوں پر جھکا جھکا کر بیڑاری سے کامنے لگی۔

باپ کو غصہ آگیا۔ کتنی دیر بعد تو اس نے بیڑی سلکائی تھی۔ جب سے بیڑی کا بندل چھے پیسے کا ہو گیا تھا وہ تمام دن اور رات میں صرف چار بیڑیاں پیتا۔ مارے طلب کے جما ہیوں پر جما ہیاں آتیں۔ لیکن اپنا جی مارتا اور اس وقت بیٹی نے حکم لگادیا کہ نہ پیو۔

”تیرا جی تو ہر بات میں الٹا کرتا ہے..... کچھ دماغ چل گیا ہے تیرا؟“ باپ نے تیر آواز میں کہا اور اچھن بغیر کچھ جواب دیے انھی اور دیا سلامی کی ڈیماں کردا لان میں ریگ گئی۔

گھر کی سنان تاریکی میں دیا سلامی کے گڑنے کی آواز گنجی اور سیاہ طاق میں رکھے ہوئے چانغ پر مضمی لوچنے لگی۔ بوسیدہ دلان کے ستون کا سایہ چھوٹے سے آنکن سے گزر کر سامنے کی دیوار تک چڑھ گیا تو اچھن نے دیا سلامی کی ڈیماں ٹھیک میں دبا کر اپنا سر طاق کے بر ابریک دیا اور پتیاں پھر اکر چانغ کی ٹھماقی ہوئی لوکوں کیمنے لگی۔

باپ نے بیڑی چار پائی کی پٹی پر رگڑ کر بھادی اور اسے دوبارہ پینے کے خیال سے اپنے کان پر جما کر اچھن کی طرف دیکھا تو اسے جیسے دھچکا سالاگا۔ اندھیرے میں پناہ ڈھونڈتی ہوئی روشنی میں وہ اس طرح کھڑی ہوئی بیڑی بھیا نک لگ رہی تھی۔ ہڈیوں پر منڈھی ہوئی سیاہ کھال الجھے الجھائے جھونجھوٹے ایسے بال، کھلے ہوئے ہوٹ اور پھری ہوئی پتیاں۔ میں جیسے وہ دیوار سے نکل کر مر گئی ہو۔

ابھی دوسرا ہی سال تو تھا کہ باپ نے اچھن کی ماں کو بالکل اسی حالت میں بستر پر پڑے دیکھا تھا۔ کھلے ہوئے ہوٹ اور پھری پتیاں۔ یہ دیکھ کر وہ بجائے رونے دھونے کے گزوں منے کپڑے کے پھر میں پڑ گیا تھا۔ جی تھوڑوں گذروں پر پڑا ہوا غریب عورت کا بے جان جسم۔ اسے دنیا کے قاعدے کے ہو جب کفن چاہیے تھا۔ گزوں نیا، تھان پر سے اتارا ہوا کپڑا۔ چاہیے وہ زندگی میں ایک عرصے سے چھالیش کے ایک گھیر کھار والے پاجائے کو ترسی ہی رہی ہو گر اس سے کیا ہوتا ہے؟۔۔۔ غریبوں کو امیروں کی برابری کرنے کا بس ایک ہی موقع ملتا ہے دنیا میں اور وہ مرنے کے بعد صرف کفن لینے کے بارے میں۔ آہا! اصل بات تو یہ ہے کہ غریب پیدا ہی اس لیے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد امیروں کی برابری کر لیں۔۔۔ تو اچھن کی ماں کے لیے کفن چاہیے تھا اور اس کے لیے اچھن کا باپ انتہائی ٹکر مند تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اچھن کی ماں زندگی میں ہر ایک کے سامنے لیرے لیرے کپڑوں میں پھری تھی۔ اس کا یہ مطلب تھوڑی تھا کہ وہ قبر میں بھی یوں رکھ دی جاتی اس لیے اس نے جان پیچان والوں کے دروازے کھلکھلایا۔

ادھر ادھر بہت دوڑا بے چارہ لیکن کہیں سے بھی اتنے روپے کا انتظام نہ ہو سکا کہ کفن خریدا جاسکتا۔ انتظام ہوتا بھی کیسے؟ اس کی جان پچان والے ہی کون سے دو وقت پہلے بھر کھانے والوں میں سے تھے؟ آخر وہ سب کی طرف سے مایوس ہو کر اپنے مالک کے پاس گیا۔ جن کی دکان پر وہ دس روپے مینے کے عوض صبح سے شام تک حساب کتاب لکھا کرتا تھا۔

اس نے اپنی ابھی ہوئی میلی ڈاڑھی کو آنسوؤں سے بھگو کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا کہ مالک! میرے گھر میں بے کفن کی لاش پڑی ہے کچھ قرض..... اور مالک نے بات کاٹ کر نرم لبھے میں جواب دیا۔ ”مشی جی! یا اللہ کے گھر کا کام ہے، قرض نہیں لو۔ یہ روپے ادا کرنے کی لگرنہ کرنا“ تاجر مالک نے پچیس روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

روشیوں کو ترسی، کپڑے کو بلکتی اور حکیم صاحب کا نسخہ پینے کو سکتی ہوئی اچھن کی ماں ایک دم پچیس روپے کا خرچ کروائے زمین میں

جا چھپی۔

”اور اب..... اب اچھن“..... باپ فکر مندا آنکھوں سے اچھن کو تک رہا تھا جواب تک بے حس و حرکت دیوار سے سر ٹیکے

چاغ کی مدھم لوکو پتلیاں پھرائے تکے جارتی تھی۔ مال کے مرنے کے بعد سے اسے بھی نہ جانے کیا ہوتا جا رہا تھا۔ بس گھلتی ہی چلی جارتی تھی۔ وہی ماں کی سی ٹھیکے دار کھانی اور بکا بلکا بخار..... ادھر پڑی ہے، ادھر پڑی ہے۔ باپ غریب اس کی حالت کو سمجھتا تو خوب مگروہ علاج کیا خاک کرتا۔ زیادہ سے زیادہ وہی خیراتی ہسپتال کی دوا کیں، جن میں دواتر برائے نام تھی ہاں پانی ہی پانی ہوتا..... سرکاری ہسپتال میں وہی جانے والی دوا کیں اللہ نقصان ہی کرتیں..... وہ جب اچھن کی ماں کے لیے کچھ نہ کر سکا تو اچھن کے لیے کہاں سے ڈاکٹر پکڑ لاتا..... پہلے بھی دس روپے پاٹا تھا اور اب بھی۔ ہاں روپے کی قیمت بازار میں پہلے سے کہیں زیادہ محنت گئی تھی۔ جب اچھن کی ماں مری تھی تو بازار میں آٹا چار سیر روپے کا مل جاتا تھا اور اب ڈھائی روپے سیر بھی مشکل سے ملتا۔ ہر چیز مہنگائی کی انتہا کو پہنچ پہنچ لیکن دکان کا پرانا مشی اتنا ہی ست تھا جتنا میں سال پہلے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے لڑائی شروع ہونے سے قبل جو چیزیں دوپیے کو لے کر دکان میں بھری گئی تھیں وہ لڑائی شروع ہوتے ہی مہنگی ہوتی گئیں یہاں تک کہ دوپیے کی چیز نے آٹھ دس گناہق دیا، گویا چیزیں جیسے جیسے پرانی ہوتی گئیں ویسے ویسے قیمتی بھی لیکن اس پرانے مشی کے دس روپے کی قیمت بازار میں سختی ہی چلی گئی..... دکان میں ہی برس رہا تھا۔ مالک کے نام پر بینک میں سونے چاندی کے پھاڑ کھڑے ہو رہے تھے تو اسے کیا۔ وہی مشکل کر بی بی عید آئی۔ جواب ملا۔ دور موئی تھے اپنی نکلیا روٹی سے مطلب..... اسے تو جیسے اپنے دس روپوں کے سامنے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ جہاں ضروریات زندگی کی قیمتوں کا دائرہ روز بروز تھا ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے سن کر مزدوروں نے مہنگائی بھتہ لینا شروع کر دیا۔ کسانوں کی بن آئی۔ معمولی دکانوں کے طازموں کی تنخوا ہوں میں بھی اضافہ ہو گیا اور یہاں تک کہ بوجھا اٹھانے والوں نے بھی اپنی مزدوری بڑھا دی تو اس کے دل میں بھی امنگ انھی کہ مالک سے صاف کہ دے کہ میری تنخواہ بڑھاؤ.....

لیکن شاید مالک نے اس کا خیال بھانپ کر پہلے ہی سے ہر وقت سانا شروع کر دیا کہ مشی جی بڑھا پے سے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اب گھر نیٹھنوں کری چھوڑ کر۔ یہ دیکھو تم نے حساب میں اتنی اتنی رقم ابھی تک نہیں جوڑی مجھے نشیوں کی کی نہیں۔ میں تو تمہارے

پرانے ہونے کا خیال کرتا ہوں۔ سمجھے..... آئے دن یہ سن کر اس کا جی سوکھتا کہ کہیں ان دس روپوں کے بھی لا لے نہ پڑ جائیں اور وہ اس دن کو مستاجر اس کے دل میں تختواہ بڑھوانے کا منحوس خیال آیا تھا..... اچھن سوکھتی جا رہی تھی، اس کے لیے وہ انتہائی غفرمند تھا۔ پاس پڑوں والے کہتے کہ فرشتی جی! جب لوٹا یا کوکھلا پہنچا نہیں سکتے بیمار ہے تو کوڑی کی دو انہیں دے سکتے تو اسے اپنے گھر بار کا کر دو..... کھائے پہنچنے کی تو آپ ہی اچھی ہو جاوے گی۔ لیکن مشورہ دینے والے جیسے یہ سوچتے ہی نہ تھے کہ غریب کی لڑکی غریب ہی کے گھر جائے گی، کسی دس بارہ روپے پانے والے کی عورت کیا پہنچنے کی اور کیا کھائے گی۔ آخر اچھن کی ماں بھی تو شوہروں کی تھی کون سائلہ اٹھایا غریب نے؟

اچھن کو اس قدر عجیب طریقے سے کھڑے دیکھ کر باپ کی طبیعت الجھتی ہی چلی جا رہی تھی..... اچاک اسے خیال آیا کہ کہیں وہ اس کے بیڑی پہنچنے کے بارے میں تو اتنی رنجیدہ نہیں ہو گئی۔

”اچھن! اس طرح کیوں کھڑی ہے؟ اب میں بیڑی نہیں پیوں گا۔“

”کچھ نہیں ابا۔“..... اس نے دیوار سے سراخا کر غور سے باپ کی طرف دیکھا۔ ”میں سوچ رہی تھی کہ چراغ کی لو بڑھادوں ذرا۔“ اس کے لمحے میں بڑی آرزو اور خوشامد تھی۔

لیکن یہ سن کر باپ پر سے جیسے بھاری بوجھ ہٹ گیا۔ اتنی معمولی سی بات تھی جس کے لیے وہ اتنی دری سے یوں کھڑی تھی۔ اس نے سوچا جسچا اچھن کا دماغ چل گیا ہے۔ اندھیرے کو روشنی میں تبدیل کرنے کا خیال اس کے نزدیک پا گل پن تھا۔ گھر آخر کیوں؟ اس نے کہا۔

”جانتی ہے کہ اخواتاروں میں کہیں دو پیسے کامنی کا تیل نصیب ہوتا ہے اس پر بھی بھیڑ بھاڑ میں چیزوں کا قیدہ ہتا ہے، کپڑے پہنچنے میں..... کب سے کہ رہا ہوں کہ تیل پر کنڑوں ہے اور تو ہے کہ روز روز لو بڑھانے کی صد کیا کرتی ہے۔“

”تو کیا فائدہ ایسے اجائے۔ دکاندار اتنا تیل بھی نہ دیا کرے۔ اس سے تو اندھیرا پڑا رہے۔ نام تو نہ ہو چراغ جلنے کا۔“ اس کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی آرزو کے نفحے نفحے دیے اچاک بجھ گئے۔

”فائدہ وائدہ کچھ نہیں معلوم مجھے۔ بس اتنا ہی تیل ملے گا کہ چراغ جلتا رہے۔“ باپ کی آواز تیز ہو گئی جیسے اس احساس نے اسے غصہ دلا دیا ہو۔

”چاہے روشنی نہ ہو۔“ اس کے ہونٹ پھڑک اٹھے۔

”ہا۔“ باپ کا جواب گھر کی سنسان نہم تار کی کو اور بھی تار یک کر گیا۔

”میرا تو جی المٹا ہے ایسے اجائے۔“ اس نے مردہ سی آواز میں کہا لیکن باپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جیسے وہ بیٹی کے بات بات میں جی گھبرانے سے ناراض ہو گیا ہو۔

وہ ماہیوں ہو کر لڑکھ راتی ہوئی دالان سے نکل آئی اور اپنی چار پائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اے اپنے ابا پر غصہ آ رہا تھا کہ آخر وہ اس برائے نام روشنی پر قناعت کیوں کرتے ہیں؟ ممٹی کا تیل اسے روزانہ کیوں نہیں ملتا؟ جب کہ گلی کے کنڑوں اے خوبصورت دو منزلہ گھر میں تمام رات بڑی بڑی لالثینوں کی روشنی ہوتی رہتی ہے..... لیکن اس کا جھنجھلا یا ہوا ماغ یہ سوچ ہی نہ سکا کہ اگر تیل لڑے بھڑے ملنے بھی گئے تو اس مد کے لیے دو پیسے روز کس کے گھر سے آئیں گے جب کہ اس کے باپ کوخت محنت کی قیمت صرف اتنی ہی ملتی ہے کہ وہ جیسے تو کیا ہاں جینے کی بھونڈی ای نقش اتنا تارا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے سیاہ طاق میں رکھا ہوا چراغ جس کی مدھم روشنی پر چاروں طرف سے اندر ہمراہ امنہ رہا تھا.....

اچھن بیچ وتاب کھاتی اپنی چار پائی پر لڑھک گئی۔ اس کا جی گھبرارہتا اور ہر طرف سے سفید نئے کپڑوں کی کھڑک راہت صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ زور زور سے روک رہا پہنچت اپنے ابا کی قناعت پسندی کا ڈھنڈو را پینے..... لیکن اس سے رویا بھی نہ گیا۔ آنسوؤں کا ذخیرہ تو جیسے طلق میں ہی پھنس کر رہ گیا تھا۔

(سب افسانے میرے)

مشق

- 1- افسانہ ”چراغ کی لو“ کا متن منظر کھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:
- i- اچھن کس بیماری میں بہلا تھی؟
- ii- اچھن کا باپ کیا کام کرتا تھا؟
- iii- دکان کے مالک نے مشی جی کو روپے کیوں دے دیے؟
- iv- اچھن کے لبھ میں کس بات کی آرزو اور خوشابد تھی؟
- v- اچھن کے ابانتے یہ کیوں کہا کہ میں بیزی نہیں بیوں گا؟
- vi- اس افسانے میں ہمارے کس معاشرتی رویے پر تقدیم کی گئی ہے؟
- 2- افسانہ ”چراغ کی لو“ کا مرکزی خیال تحریر کریں۔
- 3- افسانہ ”چراغ کی لو“ کا خلاصہ لکھیں۔
- 4- ”سرمایہ اردو“ میں شامل افسانوں میں سے آپ کوون سا افسانہ اچھا لگا اور کیوں؟ اپنے ٹیوٹور میل پیریڈ میں وضاحت کریں۔

مکتباتِ غالب

ہنام میر مہدی حسین مجرور

سید صاحب

نہ تم مجرم، نہ میں گنگار۔ تم مجرور، میں ناچار۔ لواب کہانی سنو، میری سرگزشت میری زبانی سنو۔ نواب مصطفیٰ خاں پر میعاد سات برس کے قید ہو گئے تھے، سوان کی تقسیر معااف ہوئی اور ان کو رہائی ملی۔ صرف رہائی کا حکم آیا ہے۔ جہاں گیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنسن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا۔ ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں پھرستے ہیں۔ بہ مرد استماع اس خبر کے، ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا۔ آن کو دیکھا۔ چاروں وہاں رہا، پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں، مگر ہفتہ کو گیا، منگل کو آیا۔ آج بدھ دوم فروری ہے۔ مجھ کو آئے ہوئے نوال دن ہے۔^۱ انتظار میں تھا کہ تمہارا خط آئے تو اس کا جواب لکھتا ہوں: لکھا جائے۔ آج صحیح کو تمہارا خط آیا۔ دو پھر کو میں جواب لکھتا ہوں:

— روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قیامت نہیں ہے۔ لا ہوری دروازے کا تھانے دار موڑھا بچا کر سڑک پر بیٹھتا ہے جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے، اس کو پکڑ کر حوالات میں بیجھ دیتا ہے۔ حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بیدلے ہیں یادو روپے جرمانہ لیا جاتا ہے۔ آنھوں قید رہتا ہے۔ اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو، کون بے کلک مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے۔ تھانوں میں نقشہ مرتب ہونے لگے۔ یہاں کا جمدار میرے پاس بھی آیا۔ میں نے کہا: بھائی، تو مجھے نقشے میں نہ رکھ، میری کیفیت کی عبارت الگ لکھ۔ عمارت یہ کہ اسدالله خاں پنسن دار ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی خوبی میں رہتا ہے۔ نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا، نہ گوروں کے زمانے میں لکلا اور نہ لکلا گیا۔ کریں بروں^۲ صاحب بہادر کے زبانی حکم پر اس کی اقامت کا مدار ہے۔ اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا۔ اب حاکم وقت کو اختیار ہے۔ پرسوں یہ عمارت جمدار نے ملک کے نقشے کے ساتھ کوتوvalی بیجھ دی۔ کل سے یہ حکم لکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان و کان کیوں بناتے ہیں؟ جو مکان بن پکھے ہیں انھیں ڈھا دو اور آنکھ کی ممانعت کا حکم نادو اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے، بقدر مقدور نہ راندہ ہے۔ اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے۔ روپیادے اور ٹکٹ لے۔ گھر بر باد ہو جائے، آپ شہر میں آباد

^۱ گویا ۲۲۔ جنوری کو میرٹھ گئے اور ۲۵ جنوری کو لوٹے۔

^۲ اس کا نام بروں نہیں برن (Burn) تھا۔ وہ فتح دہلی کے بعد شہر کا فوجی گورنر مقرر ہوا تھا۔

ہو جائے۔ آج تک یہ صورت ہے، دیکھیے شہر کے لئے کی کون مہورت ہے؟ جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کیے جاتے ہیں یا جو باہر پڑے ہوئے ہیں، وہ شہر میں آتے ہیں؟

الملک لله واحده لله

نورِ حشم میر سرفراز حسین اور برخوردار میر نصیر الدین کو دعا اور جناب میرن صاحب کو سلام بھی اور دعا بھی۔ اس میں سے جو چاہیں قبول کر لیں۔

بدھ۔ ۲۔ فروری (۱۸۵۹ء)

غالب

بنام مرزا ہرگوپال تفتہ

بھائی!

تم حج کرتے ہو کہ بہت مسودے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں، مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ہی تصاند پڑے ہیں۔ نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ بر سات کا حال تحسین بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میر امکان گھر کا نہیں ہے، کرایے کی خوبی میں رہتا ہوں۔ جو لاٹی سے میدشروع ہوا۔ شہر میں سیکڑوں مکان گرے اور یہنے کی تی صورت، دن رات میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہ نکلیں۔ بالاخانے کا جودا لان میرے اٹھنے بیٹھنے، سونے جانے، جیسے مرنے کا محل ہے، اگرچہ گرا نہیں لیکن چھت چھلتی ہو گئی۔ کہیں لگن، کہیں چچھی، کہیں اگالدان رکھ دیا۔ قلمدان، کتابیں اٹھا کر تو شے خانے کی کھڑی میں رکھ دیے۔ مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں۔ کشتی نوح میں تین میسینے ربئے کا اتفاق ہوا۔ اب تجات ہوئی ہے۔ نواب صاحب کی غزلیں اور تمہارے تصاند دیکھے جائیں گے۔

میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمہاری خبر و عافیت ان سے معلوم ہوئی تھی۔ میر قاسم علی صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ پرسوں سے نواب مصطفیٰ خاں صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات ان سے ہوئی ہے۔ ابھی سینہ رہیں گے، یہاں ہیں، احسن اللہ خاں معان لیں، فصلد ہو چکی ہے، جو نکیں لگ چکی ہیں، اب مسلسل کی فکر ہے، سوا اس کے سب طرح کی خبر و عافیت ہے۔ میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں، گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا آجائے تو انہوں نے بیٹھتا ہوں، درستہ پڑا رہتا ہوں۔ لیئے لیئے خط لکھتا ہوں، لیئے لیئے مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ اللہ!

صبح جمعہ ۱۳ ماہ اکتوبر ۱۸۶۳ء

غالب

(خطاط غالب مرتبہ مولانا غلام رسول میر)

مشق

1. مکاہیب غالب پیش نظر کھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔
i. نواب مصطفیٰ خاں رہا ہو کر کس شہر میں گئے؟

ل۔ دہلی ب۔ لکھنؤ

ج۔ بخارس د۔ میرٹھ

ii. بقول غالب جو ری 1859ء میں شہر میں بلاکٹ داخل ہونے پر حاکم سے سزا ملتی تھی:

ل۔ آٹھ دن قید ب۔ دس دن قید

ج۔ بارہ دن قید د۔ چودہ دن قید

iii. حاکم وقت نے حکم دیا:

ل۔ شہر کے مکان ڈھانے کا

ب۔ شہر سے باہر والے مکان ڈھانے کا

ج۔ شہر سے باہر مکان ڈھانے اور آئندہ ممانعت کا

iv. ہر گوپاں تفتہ نے برائے اصلاح غالب کو کیا بھیجا تھا؟

ل۔ غزالیں ب۔ نظیراں

ج۔ قصائد د۔ مشویاں

v. بقول غالب صاحب فراش ہوتے ہوئے وہ مسودات کس طرح دیکھتے تھے؟

ل۔ لینے لیئے ب۔ چلتے پھرتے

ج۔ کھڑے کھڑے د۔ بیٹھے بیٹھے

vi. ”مکاہیب غالب“، کامتن پیش نظر کھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں جو تین تین سطور سے زیادہ نہ ہوں۔

i. غالب نے میرٹھ کا سفر کیسے طے کیا؟

ii. نواب مصطفیٰ خاں دوست کے ہاں کیوں شہرے؟

iii. 1859ء میں حکم حاکم کی بابت غالب نے اپنے شعر میں کیا کہا ہے؟

iv. ہر گوپاں تفتہ کے نام خط میں مذکورہ تسلیح کی وضاحت کریں۔

v. مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں۔

سرگزشت، اقامت، فصل، مسئلہ، مسودات۔

علامہ اقبال

(1877ء-1938ء)

مکتوباتِ اقبال

مولانا گرامی کے نام

جناب مولانا گرامی!

میں ابھی تک علیل ہوں، گوپیلے کی نسبت بہت افاقت ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا فرمائے۔ حکیم اجمل خاں صاحب نے دہلی سے دو ہجتی تھی مگر اس سے بھی بہت کم فائدہ ہوا۔ کل گوراوس پور سے ایک حکیم صاحب خود بخود تشریف لے آئے تھے۔ انھیں کسی سے میری علالت کا حال معلوم ہوا تھا۔ دوادیے گئے ہیں جس سے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس دوادیے فائدہ ہو جائے گا کیونکہ جن اجزاے یہ مرگ ہے ان میں سے ایک اخلاص بھی ہے جو ان حکیم صاحب کو خود بخود دیرے مکان تک لے آیا۔ بہر حال خدا تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہوں۔

میاں ریاض صاحبؒ نے آپ کو لاہور کی دعوت دی اور انہیں حمایت اسلام لاہور نے دعوت دی۔ افسوس ہے آپ نے کسی کی دعوت قبول نہ کی۔ میری توجہ رائے ہے کہ ضرور ان دونوں کی دعوتوں کو قبول فرمائیے۔

میں تو اپنے آپ کو اس درد کی وجہ سے رفتی سمجھتا تھا مگر جنہیں اس خیال سے تسلیم تھیں کہ پاؤں کا درد ہے۔ حرکت حال ہے، رفتی نہیں آمدی ہوں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج تبیر ہو گا۔ ممکن ہو تو لاہور ضرور آئیے اور لوگوں کو اپنا تازہ کلام تھی سنائیے۔

کل بھی سے ایک عرب کا خط آیا ہے جو ”اسرار خودی“ کو عربی میں ترجمہ کرنا چاہتا ہے اور اس کی اجازت مانگتا ہے۔ میں نے اسے اجازت دے دی ہے۔

ملحق

محمد اقبال

میاں ریاض الدین صاحب، میاں سراج الدین تاجر کتب شیری بazar کے فرزند تھے۔ انہوں نے کوچ کوٹی داراں میں ایک جو یونیورسٹی ”ریاض منزل“ کے نام سے قیری تھی جو بعد میں ملک لال دین قیصر نے خریدی تھی۔ میاں ریاض الدین رئیسوں کی طرح رہتے تھے۔ نہایت کشادہ دست تھے۔ ان کا دست خوان بڑا واقع تھا۔ ان کے مکان پر اکثر ادبی مغلیس برپا ہوتی تھیں جن میں مشاہیر ملک شرکت فرماتے تھے۔

اکبرالہ آبادی کے نام

لہ ہو ر ۱۲ تیر ۱۸

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ بھی ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ ابھی تو مسلمانوں کو اور ان کے لئے پچ کو آپ کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر خفیع طاف فرمائے۔

میں ۹ ستمبر کو لاہور واپس آگیا تھا مگر ترشی کے زیادہ استعمال سے دانت میں سخت درد ہو گیا جس نے کئی روز تک بے قرار رکھا۔ اب خدا کے فضل سے بالکل اچھا ہوں۔ رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ (انگریزی) کے اگست کے نمبر میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک روپیہ گرونوں مشتویوں پر لکھا ہے۔ نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔ اگر اس روپیہ کوئی کاپی مل گئی تو ارسال خدمت کروں گا۔ آج ”زمانہ“ میں ایک روپیہ نظر سے گزرا۔ ”زمانہ“ کے اسی نمبر میں آپ کے اشعار بھی دیکھئے جن کوئی دفعہ پڑھا ہے اور ابھی کہی بار پڑھوں گا۔ بالخصوص ایک نہایت تخلص نوجوان یہاں لاہور میں ہے، تاجِ سُب ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ ”شکوہ“ اور ”جواب شکوہ“ کو پھر شائع کرنا چاہیے مگر مولا نما اکابر دیاچے لکھیں۔ میں نے آپ کی طرف سے ہر چند عذر کیا مگر وہ مصر ہے۔ آخر میں نے اس سے وعدہ کیا کہ مولا نما کی خدمت میں عرض کروں گا۔ اسی فرمائیں کرتے ہوئے جواب آتا ہے کہ مجھے آپ کے ضغف و ناتوانی کا حال معلوم ہے۔ تاہم اگر کسی روز طبیعت شفقتہ ہو اور آلام و افکار کا احساس، حلقہ کی طبع سے کم ہو گیا ہو تو دس پندرہ سطور اس کی خاطر لکھ ڈالیے۔ یہ رُکا آپ کا غالباً بنانہ مرید ہے۔

مکلت کے فساد کے حالات اخبار میں پڑھے تھے آج مزید حالات پڑھے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں پر فضل کرے۔

مجھے بھی مکلت سے بلا و آیا تھا اور میں جانے کو قریباً تیار بھی تھا مگر جب مطبوعہ خط کا مضمون والدِ مکرم کو سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ نquam غالباً یہ جلسہ بند کر دیں گے۔ بعد میں ایسا ہی ہوا۔

محمد اقبال

(کلیاتِ مکاتیب اقبال مرتبہ سید مظفر حسین برلنی)

مشق

۱۔ درست جواب کے شروع میں ”✓“ کا نشان لگائیں۔

۲۔ علامہ اقبال نے پہلے خط میں مولا نما گرامی کے لیے کیا القاب استعمال کیے؟

۳۔ جتاب مولا نما گرامی ب۔ حضرت مولا نما گرامی ج۔ ڈی مولا نما گرامی

- ii- علامہ اقبال کی مادر محسوس کرتے تھے؟
 ل- سرکار درد ب- پاؤں کا درد ج- پٹلی کا درد
- iii- ”اسرار خودی“ کا عربی میں ترجمہ کون کرنا چاہتا تھا؟
 ل- ایک عرب ب- ایک ہندوستانی ج- ایک انگریز
- iv- فسادات کس شہر میں ہو رہے تھے؟
 ل- دہلی میں ب- لکھنؤ میں ج- لکھنؤ میں
- v- میاں ریاض صاحب نے مولانا گرامی کو کہاں آنے کی دعوت دی؟
 ل- سیالکوٹ ب- لاہور ج- کراچی
- vi- مندرجہ ذیل سوالات کے خفیر جواب دیں۔
 i- علامہ اقبال گورداں پورا لے حکیم کی دوسرے مظہمن کیوں تھے؟
 ii- پہلے خط میں علامہ اقبال نے کن دعوتوں کا ذکر کیا ہے؟
 iii- دوسرا خط کس شخصیت کے نام لکھا گیا ہے؟
- vii- دوسرے خط میں علامہ اقبال نے مکتب الیہ سے کیا درخواست کی ہے؟
 viii- کس رسالے میں علامہ اقبال کی دونوں مشویوں پر رائے دی گئی؟
 ix- علامہ اقبال نے اکبرالہ آبادی کے اشعار کس رسالے میں پڑھے؟
 x- لاہور کی کس انجمن نے مولانا گرامی کو آنے کی دعوت دی؟
- xii- علامہ اقبال کو ایک عرب نے کس شہر سے خلاکھا؟
 xiii- مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کریں۔
 علیل۔ اقاۃ۔ عمر خضر۔ ضعف و ناقوٰنی۔ میلان طبیعت۔
 xiv- مندرجہ ذیل الفاظ کے واحد لکھیں۔
 حکام۔ حالات۔ آلام۔ افکار۔ اشعار۔
- xv- سیاق و سبق کے حوالے سے مندرجہ ذیل چیز اگراف کی تشریح کریں۔
 میں ابھی تک علیل ہوں..... خدا تعالیٰ کے نفضل کا منتظر ہوں۔

لاہور کا جغرافیہ

تمہید:

تمہید کے طور پر صرف اتنا عرض کرتا چاہتا ہوں کہ لاہور کو دریافت ہوئے اب بہت عرصہ گزر چکا ہے، اس لیے دلائل ویرائین سے اس کے وجود کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کہنے کی بھی اب ضرورت نہیں کہ کرے کو دائیں سے باسیں ٹھہرائیں جی کہ ہمارا ملک آپ کے سامنے آ کر ٹھہر جائے، پھر فلاں طول البلد اور فلاں عرض البلد کے مقامِ انقطاع پر لاہور کا نام تلاش کیجیے، جہاں یہ نام کرے پر مرقوم ہو، وہی لاہور کا محلن وقوع ہے۔ اس ساری تحقیقات کو مختصر مگر جامع الفاظ میں بزرگ یوں بیان کرتے ہیں کہ لاہور، لاہوری ہے۔ اگر اس پتے سے آپ کو لاہور نہیں مل سکتا تو آپ کی تعلیم ناقص اور آپ کی ذہانت فاتر ہے۔

محلن وقوع:

ایک دو غلط فہمیاں البتہ ضرور رفع کرتا چاہتا ہوں۔ لاہور پنجاب میں واقع ہے لیکن پنجاب اب بیٹھ آب نہیں رہا۔ اس پانچ دریاؤں کی سر زمین میں اب صرف سائز ہے چار دریا بہتے ہیں اور جو نصف دریا ہے وہ تو اب بہنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ اس کو اصطلاح میں راوی ضعیف کہتے ہیں۔ ملنے کا پتا یہ ہے کہ شہر کے قریب دو پل بننے ہوئے ہیں۔ ان کے نیچے ریت میں پریا لیٹا رہتا ہے، بہنے کا شغل عرصے سے بند ہے۔ اس لیے یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ شہر دریا کے دائیں کنارے پر واقع ہے یا باسیں کنارے پر۔

لاہور تک پہنچنے کے کئی راستے ہیں لیکن دونوں میں سے بہت مشہور ہیں، ایک پشاور سے آتا ہے، دوسرا دہلی سے۔ وسطی ایشیا کے حملہ آور پشاور کے راستے اور یوپی کے حملہ آور دہلی کے راستے وارد ہوتے ہیں۔ اقبال اللہ کراہی سیف کھلاتے ہیں اور غزنوی یا غوری تخلص کرتے ہیں۔ مؤخر اللہ کراہی زبان کھلاتے ہیں۔ یہ بھی تخلص کرتے ہیں اور اس میں پیدھلی رکھتے ہیں۔

حدود اربعہ:

کہنے ہیں کسی زمانے میں لاہور کا حدود اربعہ بھی ہوا کرتا تھا لیکن طلبہ کی سیولت کے لیے میٹھی نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔ اب لاہور کے چاروں طرف بھی لاہور ہی واقع ہے اور روز بروز واقع تر ہو رہا ہے..... ماہرین کا اندازہ ہے کہ دس میں سال کے اندر لاہور ایک صوبے کا نام ہو گا جس کا دارالخلافہ پنجاب ہو گا۔ یوں کہیجیے کہ لاہور ایک جسم ہے جس کے ہر حصے پر دم تمودار ہو رہا ہے لیکن ہر درم مواد فاسد سے بھرا ہے۔ گویا یہ تو سچ ایک عارضہ ہے جو اس کے جسم کو لا جتن ہے۔

آب و ہوا:

لاہور کی آب و ہوا کے متعلق طرح طرح کی روایات مشہور ہیں جو قریباً سب کی سب غلط ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لاہور کے

باشندوں نے حال ہی میں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ اور شہروں کی طرح ہمیں بھی آب و ہوادی جائے۔ میوپلی بڑی بحث و تجویض کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ اس ترقی کے دور میں جبکہ دنیا میں کئی مالک کو ہوم روول مل رہا ہے اور لوگوں میں بیداری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ اہل لا ہو رکی یہ خواہش ناجائز نہیں بلکہ ہمدردانہ غور و خوض کی مستحق ہے۔

لیکن بد قسمتی سے کمیٹی کے پاس ہوا کی قلت تھی۔ اس لیے لوگوں کو بہادیت کی گئی کہ مفادِ عامہ کے پیش نظر اہل شہر ہوا کا بے جا استعمال نہ کریں بلکہ جہاں تک ہو سکے کفایت شماری سے کام لیں۔ چنانچہ اب لا ہو رہا میں عام ضروریات کے لیے ہوا کی بجائے گرد اور خاص خاص حالات میں دھواں استعمال کیا جاتا ہے۔ کمیٹی نے جا بجا دھوئیں اور گرد کے مہیا کرنے کے لیے مرکز کھول دیے ہیں جہاں یہ مرکبات مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اس سے نہایت تسلی بخش نتائج برآمد ہوں گے۔

بہم رسانی آب کے لیے ایک اسیہم عرصے سے کمیٹی کے زیر غور ہے۔ یہ اسیہم نظامِ سقے کے وقت سے چلی آتی ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ نظامِ سقے کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے اہم مسودات بخشن تو تلف ہو چکے ہیں اور جو باقی ہیں ان کے پڑھنے میں بہت وقت پیش آ رہی ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ تحقیق و مذائق میں ابھی چند سال اور لگ جائیں۔ عارضی طور پر پانی کا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ فی الحال بارش کے پانی کو حتی الوع شہر سے باہر نکلنے نہیں دیتے، اس میں کمیٹی کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ تھوڑے یہی عرصے میں ہر محلے کا اپنا ایک دریا ہو گا جس میں رفتہ رفتہ چھپلیاں پیدا ہوں گی اور ہر محلے کے پیٹ میں کمیٹی کی ایک انگوٹھی ہو گی جو رائے دہندگی کے موقع پر ہر رائے دہندہ پہن کر آئے گا۔

نظامِ سقے کے مسودات سے اس قدر ضروری ثابت ہوا ہے کہ پانی پہنچانے کے لیے قل ضروری ہیں۔ چنانچہ کمیٹی نے کروڑوں روپے خرچ کر کے جا بھائی لگوادیے ہیں۔ فی الحال ان میں ہائیڈروجن اور آسیجن بھری ہے لیکن ماہرین کی رائے ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ گیسیں ضرور مل کر پانی بن جائیں گی۔ چنانچہ بعض نوں میں اب بھی چند قطرے روزانہ پختے ہیں۔ اہل شہر کو بہادیت کی گئی ہے کہ اپنے اپنے گھر میں کھڑے نوں کے نیچے رکھ چھوڑیں تاکہ میں وقت پر تاخیر کی وجہ سے کسی کی دل بخوبی نہ ہو۔ شہر کے لوگ اس پر بہت خوشیاں منار ہے ہیں۔

ذرائع آمد و رفت:

جو سیاح لا ہو رکھیں لانے کا ارادہ رکھتے ہوں ان کو یہاں کے آمد و رفت کے ذرائع کے متعلق چند ضروری باتیں ذہن نشین کر لئیں چاہیں تاکہ وہ یہاں کی سیاحت سے کا حقہ، اثر پذیر ہو سکیں۔ جو سڑک مل کھاتی ہوئی لا ہو رکھنے کے بازاروں میں سے گزرتی ہے، تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ یہ وہی سڑک ہے جو شیر شاہ سوری نے بنوائی تھی۔ یہ آثار قدیمہ میں شامل ہوتی ہے اور بے حد احترام کی نظر وہ سے دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ اس میں کسی قسم کا رزو بدل گوارا نہیں کیا جاتا۔ وہ قدیم تاریخی گڑھے اور خندقیں جوں کی توں موجود ہیں جنہوں نے کئی سلطنتوں کے تحفے اٹھ دیے تھے۔ آج کل بھی کئی لوگوں کے تحفے یہاں الٹتے ہیں اور عظمت رفتہ کی یاددا لکھا کر انسان کو عبرت لکھاتے ہیں۔

بعض لوگ زیادہ عبرت پکڑنے کے لیے ان تھوڑوں کے نیچے کہیں کہیں دو ایک پہنچ لے گا ایک لیتے ہیں اور سامنے دو کہ لگا کر ان میں ایک گھوڑاٹا نگ دیتے ہیں۔ اصطلاح میں اس کوتاٹا کہتے ہیں۔ شو قین لوگ اس تختے پر موم جامد منڈھ لیتے ہیں تاکہ پھٹنے میں سہولت ہوا اور بہت زیادہ عبرت پکڑی جاسکے۔

تائنوں میں بنا پتی گھوڑے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بنا پتی گھوڑا مکمل صورت میں دم دار ستارے سے ملتا ہے کیونکہ اس گھوڑے کی ساخت میں دم زیادہ اور گھوڑا کم پایا جاتا ہے۔ حرکت کے وقت اپنی دم داریت ہے اور ضبط نفس سے اپنی رفتار میں ایک سمجھیدہ اعتدال پیدا کرتا ہے تاکہ سڑک کا ہر تاریخی گزٹھا اور تاٹگے کا ہر بچکو لا اپنا نقش آپ پر ثبت کرتا جائے اور آپ کا ہر ایک سامان لطف انداز ہو سکے۔

قابل دید مقامات:

لاہور میں قابل دید مقامات مشکل سے ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لاہور کی ہر عمارت کی بیرونی دیواریں دہری ہنائی جاتی ہیں۔ پہلے انٹوں اور چونے سے دیوار کھڑی کرتے ہیں اور پھر اس پر اشتہاروں کا پلٹر کر دیا جاتا ہے جو دیوار میں رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے۔ شروع شروع میں چھوٹے سائز کے بہم اور غیر معروف اشتہارات چکا دیے جاتے ہیں، مثلاً "اہل لاہور کو مفرادہ" یا "اچھاستا مال"۔ اس کے بعد ان اشتہاروں کی باری آتی ہے جن کے مخاطب اہل علم اور سخن فہم لوگ ہوتے ہیں مثلاً "گرججیہت درزی ہاؤس یا "سوڈنٹس کے لیے نادر موقع" یا "کہتی ہے ہم کو خلق خداعاً تباہ کیا" رفتہ رفتہ گھر کی چار دیواریں مکمل ڈائرکٹری کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ دروازے کے اوپر بوث پالش کا اشتہار ہے، دائیں طرف تازہ بکھن ملنے کا پادرج ہے، بائیں طرف حافظی کی گولیوں کا بیان ہے، اس کھڑکی کے اوپر "اجمن خدام ملت" کے جلسے کا پروگرام چسپاں ہے۔ عقیقی دیوار پر سرسکس کے تمام جانوروں کی فہرست ہے۔ یہ اشتہارات بڑی سرعت سے بدلتے رہتے ہیں اور ہر نیا مردہ اور ہر نئی دریافت یا ایجاد یا انقلاب عظیم کی ابتداء چشم زدن میں ہر ساکن چیز پر لیپ دی جاتی ہے اور ان کو پیچانے میں خود شہر کے لوگوں کو بڑی وقت پیش آتی ہے۔

لیکن جب سے لاہور میں دستور رانج ہوا ہے کہ بعض بعض اشتہاری کلمات پختہ سیاہی سے خود دیواروں پر نقش کر دیے جاتے ہیں، یہ وقت بہت حد تک رفع ہو گئی ہے۔ ان دامنی اشتہاروں کی بدولت اب یہ خدشہ باقی نہیں رہا کہ کوئی شخص اپنا یا اپنے دوست کا مکان صرف اس لیے بھول جائے کہ کچھلی مرتبہ وہاں چار پائیوں کا اشتہار لگا ہوا تھا اور لوٹے وقت تک اہل لاہور کوتاڑاہ اور سنتے جتوں کا مردہ سنایا جا رہا ہے۔ چنانچہ اب وہ تو ق سے کہا جا سکتا ہے کہ جہاں بحر جلی "محمد علی دندان ساز" لکھا ہے وہ اخبار انقلاب کا دفتر ہے۔ "خالص گھنی کی مخلائی" امتیاز علی تاج صاحب کا مکان ہے "کرشنا یوٹی کریم" شalamar باغ کو اور "کھانی کا مجرب نسخہ" جاگلگیر کے مقبرے کو جاتا ہے۔

صنعت و حرف:

اشتہاروں کے علاوہ لاہور کی سب سے بڑی صنعت رسالہ سازی ہے اور سب سے بڑی حرف انجمن سازی ہے۔ ہر سالے کا نمبر عنوان خاص نمبر ہوتا ہے اور عام نمبر صرف خاص خاص موقعوں پر شائع کیے جاتے ہیں۔

لاہور کے ہر رنگ انجھ میں ایک انجمن موجود ہے، پر یہ نیز نہ البتہ تھوڑے ہیں۔ اس لیے فی الحال صرف دو تین اصحاب ہی یا اہم فرض ادا کر رہے ہیں۔ چونکہ ان انجمنوں کے اغراض و مقاصد مختلف نہیں اس لیے با اوقات ایک ہی صدر صبح کی مذہبی کافزاریں کا انتقال کرتا ہے اور شام کو کسی کرکٹ ٹائم کے ڈری میں شامل ہوتا ہے۔ اس سے ان کا مطہر نظر و سعی رہتا ہے۔ تقریر عام طور پر ایسی ہوتی ہے جو دونوں موقعوں پر کام آئتی ہے۔ چنانچہ سامعین کو بہت سہولت رہتی ہے۔

پیداوار:

لاہور کی سب سے مشہور پیداوار بیہاں کے طلبہ ہیں جو بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں دساور کو سمجھیج جاتے ہیں۔ فصل شروع سرما میں بوئی جاتی ہے اور عموماً اواخر بہار میں پک کر تیار ہوتی ہے۔

طلبہ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جن میں سے چند مشہور ہیں۔ قسم اول جمالی کہلاتی ہے۔ یہ طلبہ عام طور پر پہلے درز یوں کے باہ تیار ہوتے ہیں، بعد ازاں دھوپی اور پھرنائی کے پاس سمجھے جاتے ہیں اور اس عمل کے بعد کسی رسیتوران میں ان کی نمائش کی جاتی ہے۔ دوسرا قسم جلالی طلبہ کی ہے۔ ان کا شجرہ جلال الدین اکبر سے ملتا ہے، اس لیے ہندوستان کا تخت و تاج ان کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔ شام کے وقت چدمصا جوں کو ساتھ لیے نکلتے ہیں اور جو دوستی کے خم لندھاتے پھرتے ہیں۔ کالج کی خواراں انھیں راس نہیں آتی، اس لیے ہوش میں فروکش نہیں ہوتے۔

تیسرا قسم خالی طلبہ کی ہے۔ یہ اکثر روپ، اخلاق اور آواگوں اور جمہوریت پر بآواز بلند تادله خیالات کرتے پائے جاتے ہیں اور آفرینش اور نفیات کے متعلق نئے نظریے پیش کرتے رہتے ہیں۔ صحیت جسمانی کو ارتقائے انسانی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لیے علی الصبار پائچ چھے ڈنٹر پیٹنے ہیں اور شام کو ہوش کی چھت پر گھرے سانس لیتے ہیں۔ گاٹے ضرور ہیں لیکن اکثر بے سرے ہوتے ہیں۔

چوتھی قسم خالی طلبہ کی ہے۔ یہ طلبہ کی خالص ترین قسم ہے۔ ان کا دامن کسی قسم کی آلاش سے تر ہونے نہیں پاتا۔ کتابیں، امتحانات، مطالعہ اور اسی قسم کے خرچے کبھی ان کی زندگی میں خلل انداز نہیں ہوتے۔ جس مخصوصیت کو لے کر وہ کالج میں پہنچے تھے، اسے آخریک ملوث نہیں ہونے دیتے اور تعلیم اور نصاب اور درس کے ہنگاموں میں اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں جس طرح تینیں دانتوں میں زبان رہتی ہے۔

طبعی حالات:

لاہور کے لوگ بہت خوش طبع ہیں۔

(پدرس کے مضامین)

مشق

1- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:

i- میونسپلٹی نے ہوا کی قلت دور کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے ہیں؟

ii- لاہور میں بہم رسانی آب کے منصوبے کی تحریک میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟

iii- میونسپلٹی نے جامع عالیگا کرابل لاہور کو کیا بدایت کی ہے؟

iv- لاہور کے بازاروں میں سے گزرنے والی سڑک کس نے بنوائی ہے؟

v- تانگے کی ساخت مصنف کے الفاظ میں بیان کریں۔

vi- ”لاہور کی ہر عمارت کی بیروفی دیواریں ڈھری جائیں“، وضاحت کریں۔

vii- پختہ سیاہی کے اشتہارات کا فوری فائدہ کیا ہوا ہے؟

viii- لاہور کی مشہور ترین پیداوار کیا ہے؟

ix- طلبہ کی کتنی تسمیں ہوتی ہیں؟ صرف نام لکھیں۔

x- طبعی حالات کے عنوان کے تحت اہل لاہور کی کس صفت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

2- سبق کی مدد سے موزوں الفاظ کا انتخاب کر کے خالی چکر پر لکھیں:

i- لاہور تک پہنچنے کے لیے..... راستے مشہور ہیں۔ (کئی - دو - تین)

ii- پنجاب اب دریاؤں کی سر زمین ہے۔ (سائز ہے چار - پانچ - سات)

iii- نصف دریا کو اصطلاح میں کہتے ہیں۔ (نہر - راوی - راوی ضعیف)

iv- لاہور میں بہم رسانی آب کے لیے ابتدائی منصوبہ نے بنایا۔ (شیر شاہ سوری - نظام ستا - انگریزوں)

v- لاہور کے ہر ریخ انجی میں ایک موجود ہے۔ (ہوٹل، انجمن، کالج)

3- تخلیص کا اصول ہے کہ وہ اصل عبارت کی قریب قریب ایک تباہی ہو اور عبارت کے تمام اہم نکات تخلیص میں شامل ہوں۔

عبارت کا ایک موزوں عنوان تجویز کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک عمومی درج ذیل ہے۔

عبارت:

ایک دو غلط فہمیں البتہ ضرور رفع کرنا چاہتا ہوں۔ لاہور پنجاب میں واقع ہے لیکن پنجاب اب پانچ آب نہیں رہا۔ اس پانچ

دریاؤں کی سر زمین میں اب صرف سائز ہے چار دریا بہتے ہیں اور جو نصف دریا ہے وہ تو اب بہنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ اس کو

اصطلاح میں راوی ضعیف کہتے ہیں۔ ملنے کا پتا یہ ہے کہ شہر کے قریب دو پل بننے ہوئے ہیں۔ ان کے نیچے ریت میں یہ دریا لیٹا

رہتا ہے، بہنے کا شغل عرصے سے بند ہے۔ اس لیے یہ ہتنا بھی مشکل ہے کہ شہر دریا کے دائیں کنارے پر واقع ہے یا باسیں

کنارے پر۔ (الفاظ: 105)

محوزہ عنوان:

لاہور کا جغرافیہ

تanjیص:

لاہور پنجاب میں واقع ہے جسے آب نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ راوی بہنا چھوڑ چکا ہے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ شہر دریا کے دائیں کنارے پر واقع ہے یا باہمیں کنارے پر۔ (الفاظ: 35)

اب آپ مذکورہ بالاموت کی روشنی میں نیچے دی گئی سبقی عمارت کی تنجیص کریں اور موزوں عنوان تحریر کریں۔
لاہور میں قابلی دید..... بیان کردی یے گئے ہیں۔

4۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کریں۔

قتلت۔ قابلی دید۔ خلل انداز۔ اغراض و مقاصد۔ تعارف۔ رزو بدلت۔ دائی۔ دریافت۔ جامع۔ منسون

5۔ متن اور سیاق و سبق کے حوالے سے مندرجہ ذیل ہیراً اگراف کی تعریج کریں۔

تمہید کے طور پر صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی ذہانت فاتر ہے۔

دستی کا پھل

کسی جگل میں ایک کبوتر اور کبوتری رہتے تھے۔ ایک بڑے سے درخت پر ان کا گھونسلاتھا اور اس میں وہ دونوں امسن چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب کبوتری نے گھونسلے میں اڈے دیے تو اسے ہر وقت اسی بات کی فکرگی رہتی کہ:

”کہنیں کوئی جانور اڑے نہ لے جائے۔“

یہی بات سوچتے ہوئے ایک روز وہ کبوتر سے کہنے لگی:

”ہمارا یہاں کوئی ایسا شگل ساتھی نہیں ہے جو وقت پڑنے پر کام آسکے۔“

”لیکن تمھیں یہاں خطرہ کس بات کا ہے؟“

کبوتر نے جیرانی سے دریافت کیا۔ اس پر کبوتری اسے سمجھانے کے انداز میں بولی۔

”مُراقت کسی کو پتا کرنیں آیا کرتا۔“

پھر اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا:

”ہمیں اپنے ایک دوسرا تھی ضرور بنانے چاہیں تاکہ مصیبت کے وقت وہ ہماری مدد کر سکیں۔“

کبوتری کی یہ بات سن کر کبوتر بھی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

”تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ یہاں ہماری برادری کا کوئی پرندہ بھی تو نہیں رہتا۔ پھر دوست بنا میں تو کے بنا میں؟“

کبوتری بولی:

”کوئی حرج نہیں۔ ہماری برادری کا کوئی پرندہ نہیں ہے تو نہ ہو۔ آخر کسی دوسری برادری کے پرندے یا جانور سے بھی تو تعلقات قائم کیے جاسکتے ہیں؟“

”اکیلا جاندار دنیا میں کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ہمیں کوئی نہ کوئی ساتھی ضرور بنا لینا چاہیے۔“

جس تو یہ ہے کہ کبوتری کی بات کبوتر کے دل کو لگ گئی تھی۔ آج تک اس کا اس طرف دھیان ہی نہ گیا تھا اور اب کبوتری کے کہنے پر اسے بھی احساس ہونے لگا تھا کہ کوئی نہ کوئی دوست ضرور ہونا چاہیے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اردوگر کے قریبی علاقے کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہاں کون کون رہتا ہے؟ کچھ پرندے اس کے ذہن میں آئے لیکن وہ وہاں سے کافی فاصلے پر رہتے تھے۔ اس لیے ان سے

دوستی کرنا یا نہ کرنا بار ابر تھا کیونکہ وقت پڑنے پر انھیں اطلاع بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ سوچتے سوچتے کبوتر کو خیال آیا کہ جہاں وہ رہتے ہیں،

اس سے ذرا آگے ایک دوسرے درخت پر گدھوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ اس نے کبوتری سے کہا:

”قریب ہی ایک درخت پر گدھوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ اگر تم کہو تو میں ان کے پاس جاؤں۔“ کبوتری جلدی سے بوئی:

”اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟ ابھی جاؤ اور ان سے دوستی قائم کرو۔“

”مگر مجھے تو گدھوں سے ڈر لگتا ہے۔ ان کا ہم سے میل مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔“

کبوتر سوچ میں پڑ گیا لیکن کبوتری نے پھر اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

”گدھ ہیں تو کیا ہے؟ یہ تو پرندے؟ تم جا کر تو دیکھو۔“

”اچھا! تم کہتی ہو تو میں چلا جاتا ہوں۔“

کبوتر نے اتنا کہا اور اسی وقت اڑ کے گدھوں کے جوڑے کے پاس جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سلام و عاکی اور پھر بڑی اپنائیت

سے کہنے لگا۔

”ہم سب ایک دوسرے کے پڑوی ہیں اور اس طرح ہمارا شہنشہ گوں جیسا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم ایک دوسرے کے دوست بن

جائیں؟“

اس پر گدھ قدرے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

”تم نجیک کہتے ہو۔ ہم اسے تو ماں جائے ہوتے ہیں۔ آپس کے دکھ کھم میں شریک ہو کر ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔“

کبوتر نے انھیں بھی اپنا ہم خیال پایا تو بولا۔

”میں اسی لیے تم لوگوں کے پاس آیا ہوں کہ آج سے ہم دوست بن جائیں۔“

جواب میں گدھ بولا۔

”ہم تو آج سے ایک دوسرے کے دوست بن گئے ہیں مگر میری بات مانو تو ہم ایک اور کام کریں۔“

کبوتر نے پوچھا:

”وہ کیا؟“

جس پر گدھ نے بتایا۔

”یہاں قریب ہی ایک درخت کی کھوہ میں ایک سانپ رہتا ہے۔ اگر وہ بھی ہمارا دوست بن جائے تو پھر ہم خطرے سے بالکل

محفوظ ہو جائیں گے۔“

یہ جو یہ کبوتر کو بھی پسند آئی۔ لہذا وہ بولا۔

”اگر یہ بات ہے تو چلوس کے پاس چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ بھی ہمارا دوست بن جائے۔“

چنانچہ گدھ اور کبوتر دونوں سانپ کے پاس پہنچ گئے۔ سانپ کو اپنے آنے کا مقصد بتایا اور کہا۔

”یہ ثیک ہے کہ ہم تینوں مختلف برادری سے تعلق رکھتے ہیں مگر دوست بننے میں کیا حرج ہے؟“

”دوستی میں تو کوئی پابندی حائل نہیں ہوتی؟“

سانپ نے ان دونوں کی باتوں کو بڑے غور سے سناء، کچھ دیر تک لیٹا ان پر سوچ پھار کرتا رہا اور پھر ان سے کہنے لگا۔

”دوستی بڑی مشکل ہوتی ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے لیے جان قربان کرنا پڑتی ہے۔“

”تم ہمیں، ہر امتحان میں ثابت قدم پا دے گے۔“

دونوں نے بیک زبان سانپ سے کہا۔ اس پر سانپ بولا:

”اگر یہ بات ہے تو مجھے تم دونوں کی دوستی منظور ہے۔ آج سے ہم تینوں دوست ہیں اور وقت پڑنے پر ایک دوسرے کی پوری مدد کریں گے۔“

”بالکل ایسا ہی ہو گا۔“

اس طرح کبوتر، گدھ اور سانپ کی دوستی ہو گئی۔ اب کبوتری مطمئن تھی کہ وہ اکیلے نہیں رہے۔ ان کے دوسرے ساتھی بھی ہیں۔

دن گزرتے گئے۔ کبوتری نے جوانثے دیے تھے، اب ان کی جگہ نئے متے پھوٹے نے لے لی تھی۔ کبوتری اور کبوتر دن رات پھوٹ کی دیکھ بھال اور حفاظت میں لگے رہتے۔ ایک روز ایک شکاری اس طرف آکلا۔ وہ صبح سے مارا مارا پھر رہا تھا لیکن کوئی شکار اس کے باتحفہ نہیں لگا تھا۔ وہ اسی درخت کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا جس پر کبوتر اور کبوتری نے گھونسلا بیار کرا کھا تھا۔ اس نے دل میں سوچا۔

”خالی ہاتھ گھر جانا اچھی بات نہ ہو گی۔ کیوں نہ کسی گھونسلے سے کسی جانور کے نیچے ہی پکڑ کے لے چلو۔ کچھ تو مل جائے گا۔“

اتنا سوچ کر اس نے اردو گرد سے درخت کا جائزہ لیا تو اسے اس پر ایک گھونسلا دکھائی دیا۔ گھونسلا دیکھ کر اس نے اپنے تجربے سے اس کا اندازہ بھی کر لیا کہ گھونسلے میں کسی پرندے کے نیچے بھی موجود ہیں۔ اس وقت شام ہونے کو آئی تھی اور آہستہ آہستہ چاروں طرف اندر ہمراپھیلنے لگا تھا۔ یہ دیکھ کر شکاری کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سوچا۔

”اگر میں درخت کے نیچے آگ جلا دوں تو روشنی میں درخت پر گھونسلا ملاش کرنے میں آسانی رہے گی۔“

اس نے ادھر اور ہر سے چند سوچی لکڑیاں اور گھاٹ پھوٹس تھیں کی اور پھر ان میں آگ لگا کر الاؤ ساروشن کر دیا۔ اس کے بعد وہ درخت پر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

ادھر درخت کے نیچے شکاری یہ تیاری کر رہا تھا اور ادھر درخت پر بیٹھے ہوئے کبوتر اور کبوتری یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ شکاری

کی نیت بھاپ کئے تھے اور اب اپنے بچوں کو بچانے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے جو ابھی اتنے چھوٹے تھے کہ اڑ بھی نہ سکتے تھے۔
کبوتر کبوتری سے کہنے لگا۔

”میں ابھی اپنے دوستوں کو خبر کرتا ہوں اور انھیں جلد بلا کر لاتا ہوں۔“

اس پر کبوتری کہنے لگی۔

”یہ درست ہے کہ تم اپنے دوستوں کو بلا لاؤ گے اور یہ بھی تھیک ہے کہ وہ ہماری مدد کو آبھی جائیں گے لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے ہم خود کو شش کریں۔ ہو سکتا ہے، دوسروں کی مدد کے بغیر یہ صیحت میں جائے۔“

”میرا تو خیال ہے پہلے اپنے دوستوں کو خبر کر دینی چاہیے۔“

کبوتر نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا، جس پر کبوتری نے کہا:

”اگر کوئی اپنی مدد آپ نہ کرے تو دوسرے بھی اس کی مدد کو تیار نہیں ہوا کرتے۔ ہاں، اگر ہم اس کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو جائیں تو پھر تم اپنے دوستوں کو ضرور بلا لانا۔ مگر پہلے ہمیں خود ہی کچھ کرنا چاہیے۔“

شکاری آگ جلا چکا تھا اور اب اس نے اس کی روشنی میں درخت پر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ کبوتری نے جب اسے درخت پر چڑھتے ہوئے دیکھا تو کبوتر سے بولی۔

”اگر ہم آگ بھا دیں تو شکاری اندھیرے میں ہمارا گھونسلا نہیں ڈھونڈ سکے گا۔“

”مگر ہم آگ کیسے بھاسکتے ہیں؟“

کبوتر قدرے فکر مند ہوتے ہوئے بولا۔

”تم آؤ تو میں ابھی کوشش کرتے ہیں۔“

کبوتری نے اتنا کہا اور وہ دونوں بھلی کی سی تیزی سے اڑ گئے۔ قریب ہی دریا بہرہ رہا تھا۔ ان دونوں نے دریا پر پہنچ کر اپنے پروں میں پانی بھرا اور پھر آن کی آن میں واپس آ کر وہ پانی جلتی ہوئی آگ پر چھڑک دیا۔ وہ پھر اڑے اور دوبارہ پانی لا کر آگ پر چھڑک کا اور اس طرح چند ہی لمحوں میں تین چار بار پانی لا کر انہوں نے آگ پر چھڑک دیا جس سے جلتی ہوئی آگ بجھ گئی۔

درخت پر چڑھتے ہوئے شکاری نے جب دیکھا کہ آگ بجھ گئی ہے اور انہیں میں گھونسلا تلاش کرنا مشکل ہے تو یخیے اتر کر اس نے دوبارہ آگ جلائی اور پھر سے درخت پر چڑھتے لگا۔ ادھر کبوتر اور کبوتری نے جب دیکھا کہ آگ دوبارہ روشن ہو گئی ہے تو وہ پھر سے بھاگے بھاگے دریا پر گئے اور پہلے کی طرح پروں میں پانی بھر بھر کر لا کر اس پر چھڑکنے لگے۔ اور اس طرح چند ہی لمحوں میں انہوں نے پھر آگ بجھا دی۔

شکاری ایک بار پھر درخت پر چڑھتے چڑھتے رک گیا۔ کچھ انہیں ابھی بڑھ چکا تھا اور روشنی کے بغیر درخت پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔

اسے آگ پر رہ رہ کر غصہ آرہا تھا کہ یہ اپنے آپ بھج کیسے جاتی ہے؟ وہ غصے میں کھلتا ہوا پھر درخت سے نیچے اتر اور ایک بار پھر ادھر ادھر سے لکڑیاں جمع کر کے ان میں آگ لگادی۔ اس دفعہ اس نے موٹی موتی لکڑیاں جمع کی تھیں تاکہ جلنے کے بعد آگ بجھنے سکے۔ کبوتر اور کبوتری نے جب یہ دیکھا کہ اس دفعہ کی آگ بجھانا ان کے بس کی بات نہیں تو وہ بہت گھبرائے۔ اب دوستوں کی مدد ضروری تھی چنانچہ کبوتری نے کبوتر سے کہا:

”اب دوستوں سے مدد لینے کا وقت آگیا ہے۔“

”جلدی جاؤ اور اپنے گدھ دوست کو مدد کے لیے بلا لاؤ۔“

یہ سنتے ہی کبوتر آن کی آن میں گدھ کے جوڑے کے پاس پہنچا اور انھیں ساری بات بتا کر کہا:

”اب مجھے تم لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔“

گدھ نے آؤ دیکھا تھا تاکہ سارے کام چھوڑ کر کہا:

”چلو! ہم بھی چلتے ہیں۔ دوستی کس روز کام آئے گی؟“

کبوتر گدھوں کے جوڑے کو ساتھ لے کر آیا تو انھوں نے دیکھا کہ آگ پوری طرح جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں شکاری درخت پر چڑھ رہا تھا۔ دونوں گدھ کبوتر اور کبوتری کے ساتھ جلدی جلدی دریا پر گئے اور انھوں نے اپنے بڑے بڑے پروں میں پانی بھر کے لاءِ آگ پر پھینکنا شروع کر دیا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں جلتی ہوئی آگ بھگ گئی۔ یہ دیکھ کر شکاری تملک کر رہ گیا۔ مصیبت یہ تھی کہ اب اندر ہیرا بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ پھر یہ بھی تھا کہ شکاری بار بار درخت پر چڑھتے اترنے میں تحک چکا تھا۔ اس لیے اس نے دل میں سوچا۔

”اب آگ جلانا مشکل ہے۔ بہت رات ہو گئی ہے۔ کیوں نہ رات یہیں بس کر کروں۔ صبح آسانی سے نیچے نکال کر لے چلوں گا۔“

یہ سوچ کر وہ درخت سے تھوڑی دور میں پر کپڑا بچھا کر لیٹ گیا۔ کبوتر اور گدھ نے جب یہ دیکھا کہ شکاری وہیں پر رات بسر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور سونے کی تیاری کرنے لگا ہے تو وہ جان گئے کہ اس کی نیت نہیں ہے۔ صبح ضرور گھونٹے میں سے نیچے نکال کر لے جائے گا۔ یہ جان کر وہ کچھ دوسرا ترکیبیں سوچنے لگے۔ کبوتری نے رائے دی۔

”میری ماں نو تو تم دونوں اپنے دوست سانپ کے پاس جاؤ۔ اس وقت وہی بھاری مدد کر سکتا ہے۔“

”ہاں! وہ یقیناً اس وقت ہمارے کام آ سکتا ہے۔“

ماہ گدھ نے بھی کبوتری کی رائے پسند کی۔

کبوتر اور گدھ دونوں تھوڑی ہی دیر میں اپنے دوست سانپ کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے شروع سے آخر تک اسے ساری بات بتائی اور پھر کہا۔

”اس وقت شکاری وہیں سویا ہوا ہے اور تمیں ڈر بے کہ وہ صحیح ضرور پنجے نکال کر لے جائے گا۔“

سانپ لیئے لیئے سوچنے لگا تو کبوتر بولا۔

”اب صرف تمہاری مدد ہی میرے بچوں کی زندگی بچا سکتی ہے۔“

”بھم اسی لیئے تمہارے پاس آئے ہیں۔“ گدھ نے بھی کبوتر کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ سانپ بڑے غور سے ان کی باتیں سن کر کہنے لگا:

”تم لوگ گھبرا دئیں۔“

”اس وقت تم دونوں جاؤ، میں صحیح سارا بندو بست کرلوں گا۔“

”جیسے تمہاری مرضی۔“

گدھ اور کبوتر نے کہا اور دونوں واپس گھونٹے میں آگئے۔ وہاں آ کر انہوں نے کبوتری اور مادہ گدھ کو ساری باتیں اتنا کہ

”سانپ نے ہمیں مدد کرنے کا یقین دلایا ہے۔ وہ ضرور اپنی دوستی بخا رے گا۔“

اس کے بعد وہ چاروں کے چاروں درخت پر بیٹھے بیٹھے صح کا انتظار کرنے لگے۔

شکاری رات بھر بڑے مزے سے سویا اور جب صحیح ہوئی تو وہ خوش خوش آنکھیں ملتا ہوا اٹھا کہ درخت پر چڑھ کر گھونٹے میں سے پنجے نکالے اور اپنے گھر کی راہ لے۔ اس نے انٹھ کر اپنا سامان وغیرہ سمیتا اور جوں ہی درخت پر چڑھنے کے لیے اس کے پاس گیا، اس کی آنکھیں کچھی کی کچھی رہ گئیں۔ وہ حواس باختہ ہو گیا۔ گھبراہٹ اور خوف میں اسے اپنا ہوش تک نہ رہا۔ اس کے تیر کمان کہیں تھے اور اب وہ اپنی جان بچانے کی فکر کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا، جس درخت پر چڑھ کر اسے کبوتر کے گھونٹے سے پنجے نکالنا تھا اس درخت کے تنے کے اروگر وہ بہت بڑا سانپ لپٹا ہوا سے دیکھ دیکھ کر پھنس کارہ رہا تھا۔ شکاری نے دل میں سوچا۔

”جس طرح بھی ہوا پنی جان بچاؤ۔ بھاڑیں جائے شکار۔“

وہ اپنا سارا سامان چھوڑ چھاڑ کر لئے پاؤں ایسا بھاگا کہ پھر پلٹ کرنے دیکھا۔

وہ دن اور آج کا دن اس شکاری کا کہیں پانہ میں چل سکا لیکن کبوتر آج بھی سکھ جیمن کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ ان کی دوستی کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ دوستی اور امن کے پیغام کے لیے کبوتر ہی استعمال کرتے ہیں۔

(پنجابی لوک داستانیں)

مشق

مختصر جواب دیں:

- i - کبوتر، گدھ اور سانپ میں قدرِ مشترک کیا تھی؟
- ii - کبوتر، گدھ اور سانپ دوستی اور باہمی تعاون پر کیوں آمادہ ہوئے؟
- iii - شکاری کا کردار، کس بات کی علامت ہے؟
- iv - کسی پیر و نبی خطرے کی صورت میں ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟
- v - پڑوسیوں سے تعلقات کی نوعیت کیا ہوئی چاہیے؟
- vi - معاشرے کی بقا کے لیے امداد باہمی کی کیا اہمیت ہے؟
- vii - کبوتر کو کس بات کی علامت قرار دیا جاتا ہے؟
- viii - اپنی مدد آپ کے اصول کی اہمیت، کہانی کی مدد سے بیان کیجیے۔
- 2 - ”دوستی کا چل“، کا خلاصہ لکھیے۔
- 3 - مندرجہ ذیل الفاظ کا مفہوم لکھیے:
عُلَىٰ، قَدْرَىٰ، سَجِيدَىٰ، بَرَادَرَىٰ، حَائِلَ، فَكَرَ.

نوٹ: لوک داستان، مقامی یا علاقائی زبان کی ایسی کہانی کو کہا جاتا ہے جو دوستی، ایثار، خلوص، ہمدردی، رحم، شجاعت، عدل، فرض شناسی، بہادری، جذبہ، حریت اور محبت سمی کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کی حامل ہو۔ ایسی کہانی نسل درسل سنائی جاتی ہے اور لوک حافظے کا حصہ بنتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ صدیوں بعد لوک داستان کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔
آپ کوئی ایسی لوک کہانی لکھیں، جس کا عنوان ”نااتفاقی کا انجام“ ہو اور شیوٹر میں گروپ میں سنائیں۔

کیا واقعی دنیا گول ہے؟

ہم اس دھرتی کا گزر بنے اور سحر خلماں میں گھوڑے دوڑا آئے تھیں تو ہر چیز چھپی ہی نظر آئی۔ دنیا سے زیادہ تو ہم خود گول ہیں کہ پینگ سے لڑھکے تو پیر چین گئے اور کوئی پینگ سے پھسلے تو کولبیوں آکر زکے بلکہ جا کرتا پہنچ کر دم لیا۔ دنیا کے گول ہونے پر اصرار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یقین نہ ہو تو مشرق کی طرف سے جاؤ، چکر کاٹ کر مغرب کی طرف سے پھراپنے تھاں پر آ کر کھڑے ہو گے۔ اس میں ہمیں بیش ایک بدیہی خطرہ نظر آیا کہ کہیں گواہی کی طرف ریختے ہوئے نیچے نہ گر پڑیں کیونکہ ہم کوئی چھپکی تھوڑی ایسی ہیں۔

اس لڑکے کا حصہ آپ نے سا ہو گا کہ آدھ سیر تیل لینے کے لیے کٹورا لے کر گیا تھا۔ کٹورا تھا چھوٹا، بھر گیا تو دکاندار نے کہا کہ ”باقی کس چیز میں ڈالوں“۔ برخودار نے کٹورا اونڈھا کر کے کہا۔ ”ادھ پیندے کے حلقت میں ڈال دو“۔ پیندا اور پر کر کے گھر گیا تو ماں نے کہا: ”بینے میں نے آدھ سیر تیل لانے کو کہا تھا۔ بس اتنا سا؟ بس کیسی؟“ اس داشمن نے اسے بھی اللنا کر کہا ”ادھ بھی تو یے“۔

ہم سوچتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو مشرق ہاتھ میں رہے، نہ مغرب۔ کیا عجائب سند با د کی طرح کسی نادیدہ جزیرے میں جا لکھیں جہاں کسی پیر تمہہ پا سے مل بھیز کا بھی اتنا ہی خطرہ ہے جتنا کسی شہزادی مہر افروز کے ہم پر جان سے عاشق ہونے کا۔ بلکہ پہلا امکان کچھ زیادہ ہی ہے۔ تاہم اے دوستو! اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو ہم دنیا کے گول ہونے کا شجوت لینے کو چل دیے۔ گھر سے لکل پڑے جیسے حاتم طائی منیر شامی کی محبوبہ کی فرمائش پر انڈے کے برادر موتی اور کوہ ندا کی تلاش میں نکل گیا تھا۔ کل صبح ہم کراچی میں تھے، دو پہر ڈھاکے میں۔ رات ہماری بناک میں گزری اور دم تحریر سنگاپور میں ہیں۔ ان سطور کے زیور طبع سے آراستہ ہونے تک جائیے

کوئی واوی میں ہو ، کوئی منزل میں ہو

عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جا

ریگ آتا ہے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ کبھی قید مقام سے نہیں گزرتے۔ گورا نوال تک گئے بھی تو دوسرا روز گھر لوٹ آئے۔ ہم سے پوچھیے جو مرا اور قتل گھمل کا کرتا پہن، قوام والا پان گئے میں دبا، تاگ پر تاگ پر گھرے گھر میں ”داستان امیر حمزہ“ پڑھتے اور بی تان کر سونے میں ہے وہ جگہ جگہ مارے مارے پھرنے میں کہاں، قیام کی راحیں اور بر کتیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ نہ پاپورٹ کی فکر نہ دیز اکے لیے بھاگ دوڑ۔ نہ فاران اکچھی سے کامیٹا، نہ ہوائی کپنیوں کے دفتروں کے پھیرے کہ بھائی ایک سواری ہم بھی ہیں۔ بھالو۔ ہمیں کہیں چندے قیام کا تجربہ ہو تو ایسا زبردست قیام نام لکھیں کہ لوگ حریفوں کے سفر ناموں کو جو بول جائیں۔ اے ناظرین! کبھی سفر کا ارادہ نہ کرنا۔ اپنی دیس میں جگہ جگہ کے خطرات ہوتے ہیں۔ تیکسی والے ہیں، چوراچکے ہیں، سامان لوٹنے والے، صبر و قرار لوٹنے والے وغیرہ۔

قلی وغیرہ قسم کی چیزیں بہر کے ملکوں میں کم ہی ملتی ہے۔ انسان کو اپنے سوت کیس اور لیچیوں کے علاوہ اپنے ناز بھی بالعموم خود ہی اٹھانے پڑتے ہیں۔

اوکاراچی یونیورسٹی والوں دوہمیں ڈاکٹری ڈگری۔ ہم ڈاکٹر ہوئی گئے۔ بیباں کے لوگوں کا ہمیں ڈاکٹرانٹا کہتے ہوئے منہ سوکھتا ہے۔ ہم بھی اپنے دستخط کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنا نہیں بھولتے۔ اجہال اس تفصیل کا یہ ہے کہ ہم جس قافلہ سخت جاں میں سفر کر رہے ہیں، ان میں بھی کچھ ترک ہیں، کچھ ایرانی، قریب قریب بھی ڈاکٹر، پاکستانیوں میں فضل الباری صاحب وزیر سخت ہیں یعنی ڈاکٹروں کے بھی ڈاکٹر۔ مسئلہ فقط بیگم وجہہ بائی کا تھا کہ اپولی کی اٹریشنل سیکریٹری ہیں اور اسلام آباد کی رہنے والی ہیں یا پھر ہمارا۔ لوگوں سے تعارف میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ آخر ایک مختصری اور سمجھدہ کنوکیشن ہے میں ہم نے انھیں اعزازی ڈاکٹری ڈگری پیش کی اور انھوں نے ہمیں ڈاکٹریٹ کے خریطے سے نوازا۔ انھیں اتنی دواؤں کے نام یاد ہیں اور ان کے نخے کر ڈاکٹر بھی ان کے تلقین میں فخر محسوس کریں۔ الہدا ان کی ڈاکٹری بے غلن و غش چل جاتی ہے۔ ہم میڈی یکل ڈاکٹروں کے سامنے علم و ادب کے ڈاکٹر بنتے ہیں اور کوئی ادب و فلسفہ کا سوال کر بیٹھتے تو میڈی یکل ڈاکٹر ہونے کا غذر کرتے ہیں۔ ایک بزرگ نے دونوں طرح کے سوالات شروع کر دیے تو ہمیں ہو یہ تو بیتھتی میں امان ملی اور ہمیں اس کے تفاصیل پر تقریر کرنی پڑی۔ ایک بار تو دانتوں کا ڈاکٹر بھی بنتا ہے اور ڈاکٹر طیب محمود کی بتائی ہوئی اصطلاحیں کام آگئیں۔ بہر حال ہم پہلے سے بتائے دیتے ہیں کہ ہم اور ڈاکٹر و جہہ بائی پاکستان لوٹیں تو ہمیں باقاعدہ ڈاکٹر کہ کربلا یا جائے۔ جب دوسرے ملکوں کے لوگوں نے قبول کر لیا ہے تو ہمارے پیارے ہم وطنوں کو اس پر ہرگز اعتراض نہ ہونا چاہیے۔

(دنیا گول ہے)

مشق

1- درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔

ii- "کیا واقعی دنیا گول ہے؟" کے مصنف کا نام کیا ہے؟

ا- پٹرس بخاری ب- اہن اٹا ج- مشتاق احمد یونی د- کرثی محمد خان

iii- مصنف نے کس شہر میں جا کر دم لیا؟

ا- پیکنگ ب- کوین ہنگن ج- جاکرتا د- کولمبیا

iv- لڑکے کے ہاتھ میں کیا تھا؟

ا- پیالا ب- گلاس ج- پلیٹ د- کٹورا

v- جب مصنف مضمون لکھ رہا تھا تو وہ کس شہر میں تھا؟

ا- بنکاک ب- کولمبیا ج- سنگاپور د- کراچی

-2

محقر جواب دیں۔

i- کیا ونیا واقعی گول ہے؟

ii- حاتم طائی کیا ملاش کرنے نکلا تھا؟

iii- مصنف کے ساتھیوں کا تعلق کس ملک سے ہے؟

iv- فضل الباری کون تھے؟

v- مصنف کے ہم وطنوں کو اس کے ڈاکٹر کہلوانے پر کیوں اعتراض نہیں کرنا چاہیے؟

vi- ”کیا واقعی دنیا گول ہے؟“ کا خلاصہ لکھیں۔

vii- مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیں۔

اصرار، بدیکی، پیر تسمہ پا، دم تحریر، زیر طبع

viii- کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے جوڑیں اور درست جواب کو کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (ج)	کالم (ب)	کالم (الف)
	جگہ جگہ کے خطرات ہوتے ہیں۔ کون سی منزل میں ہو کٹورا لے کر گیا تھا ارادہ نہ کرنا گھوڑے دوڑائے گز بنے	دھرتی کا بخی ظلمات میں کبھی سفر کا اجنبی دیس میں کون سی وادی میں ہو،

6- مندرجہ ذیل الفاظ کے متفاہ لکھیں:

دھرتی، ماں، قیام، باعوم، باقاعدہ۔

7- خالی جگہ پر کریں:

i- ہمیں ہمیشہ ایک ہی بدیکی خطرہ..... آیا۔

ii- برخوردار نے..... اونہا کر کے کہا۔

iii- اے دوستو! اب کیا ہو..... ہے۔

iv- ہم ڈاکٹر ہوئی.....

v- ہم میدے یکل ڈاکٹروں کے سامنے علم و ادب کے..... بننے ہیں۔

8- سیاق و سبق کے حوالے سے تشریح کریں:

رشک آتا ہے کہ..... جریفوں کے سفر ناموں کو بھول جائیں۔

اور آنگر میں مرغیوں کا

عرض کیا ”کچھ بھی ہو۔ میں گھر میں مرغیاں پالنے کا روادار نہیں۔ میرا رائخ عقیدہ ہے کہ ان کا صحیح مقام پیٹ اور پلیٹ ہے اور شاید.....“ ”اس رائخ عقیدے میں میری طرف سے پتیل کا اور اضافہ کر لیجیے۔“ انہوں نے بات کاٹی۔ پھر عرض کیا ”اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی مرغی عربی کو نہیں پہنچ پاتی۔ آپ نے خود دیکھا ہو گا کہ ہماری ضیافتؤں میں میرزاں کے اخلاص و ایثار کا اندازہ مرغیوں اور مہماںوں کی تعداد اور ان کے تابع سے لگایا جاتا ہے۔“

فرمایا ”یہ صحیح ہے کہ انسان روٹی پر ہی زندہ نہیں رہتا..... اسے مرغ مسلم کی بھی خواہش ہوتی ہے۔ اگر آپ کا عقیدہ ہے کہ خدا نے مرغی کو محض انسان کے کھانے کے لیے پیدا کیا تو مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ صاحب! مرغی تو درکار، میں تو انہے کو بھی دینا کی سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔ تازے خود کھائیے۔ گندے ہو جائیں تو ہو ٹلوں اور سیاسی جلوں کے لیے ذگنے داموں بیچ۔ یہ اس تو اس میں میرا مطلب ہے تازہ انہے میں

ع ہزاروں ٹوپیاں ایسی کہ ہر خوبی پر دم نکلے

مغرب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ پھوہڑ سے پھوہڑ عورت کسی طرح بھی پکائے یقیناً مزے دار کپے گا۔ آمیٹ، شم برشت، شلاہوں حلوا.....“ اس کے بعد انہوں نے ایک نہایت چیزیدہ اور گلک تقریر کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ آمیٹ وغیرہ بگاڑنے کے لیے غیر معمولی سلیقہ اور صلاحیت درکار ہے جو فی زمانہ مفقود ہے۔

اختلاف کی گنجائش نظر نہ آئی تو میں نے پھلو بچا کروار کیا ” یہ سب درست! لیکن اگر مرغیاں کھانے پر اڑ آئے تو ایک ہی ماہ میں درجے کے درجے صاف ہو جائیں گے۔“ کہنے لگے ”یہ نسل منائے نہیں ملتی۔ جہاں تک اس جنس کا تعلق ہے دو اور دو چار نہیں بلکہ چالیس ہوتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو خود حساب کر کے دیکھ لیجیے۔ فرض کیجیے کہ آپ دس مرغیوں سے مرغبانی کی ابتدا کرتے ہیں۔ ایک اعلیٰ نسل کی مرغی سال میں او سٹاؤ سوسے ڈھائی سو تک انہے دیتی ہے لیکن آپ چونکہ فطر ناقوٹی واقع ہوئے ہیں، اس لیے یہ مانے لیتے ہیں کہ آپ کی مرغی صرف ڈیڑھ سو انہے دے گی۔“

میں نے تو کہا ”مگر میری قتوطیت کا مرغی کے انہے دینے کی صلاحیت سے کیا تعلق؟“ بولے ”بھی آپ تو قدم قدم پر الجھتے ہیں۔ قتوطی سے ایسا شخص مراد ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں رونے کے لیے بنائی ہیں۔ خیر، اس کو جانے دیجیے۔ مطلب یہ ہے کہ اس حساب سے پہلے سال میں ڈیڑھ ہزار انہے ہوں گے اور دوسرے سال ان انہوں سے جو مرغیاں نکلیں گی وہ دو لاکھ پچھس ہزار انہے دیں گی جن سے تیرے سال اسی محتاط اندازے کے مطابق تین کروڑ سیتیس لاکھ پچاس ہزار چوڑے نکلیں

گے۔ بالکل سیدھا حساب ہے۔“

”مگر یہ سب کھائیں گے کیا؟“ میں نے بے صبری سے پوچھا۔ ارشاد ہوا اس کی خوبی تھی ہے کہ اپنا رزق آپ تلاش کرتا ہے۔
آپ پاں کرو تو دیکھیے۔ دانہ نکا، کیڑے مکوڑے، کنکر پتھر چک کے اپنا پیٹ بھر لیں گے۔“

پوچھا ”اگر مرغیاں پالنا اس قدر آسان اور نفع بخش ہے تو آپ اپنی مرغیاں مجھے کیوں دینا چاہتے ہیں۔“ فرمایا ”یہ آپ نے پہلے ہی کیوں نہ پوچھ لیا۔ ناقص رذ و قدح کی۔ آپ جانتے ہیں کہ میرا مکان پہلے ہی کس قدر مختصر ہے۔ آدھے میں ہم رہتے ہیں اور آدھے میں مرغیاں۔ اب مشکل یہ آپڑی ہے کہ کل کچھ عزیز چھٹیاں گزارنے آرہے ہیں۔ اس لیے.....“

اور دوسرے دن ان کے نصف مکان میں عزیز اور ہمارے گھر میں مرغیاں آگئیں۔

اب اس کو میری سادہ لوچی کہیے یا خلوص تیت کہ شروع شروع میں میرا خیال تھا کہ انسان محبت کا جوکا ہے اور جانور اس واسطے پاتا ہے کہ اپنے مالک کو پہچانے اور اس کا حکم بجالائے۔ گھوڑا اپنے سوار کا آسن اور باتھی اپنے مہاوت کا آنکھ پہچانا ہے۔ کتاب پنے مالک کو دیکھتے ہی ڈم ہلانے لگتا ہے جس سے مالک کو روحاںی خوشی ہوتی ہے۔ سانپ بھی سپیرے سے بل جاتا ہے لیکن مرغیاں؟ میں نے آج تک کوئی مرغی ایسی نہیں دیکھی جو کسی اور کو پہچانے اور جس کو اپنے پرائے کی تیزی ہو۔ مہینوں ان کی ٹکنہداشت اور سنجھاں کیجیے۔ بر سوں تھیلیوں پر چکائیے۔ لیکن کیا مجال کہ آپ سے ذرا بھی سانوس ہو جائیں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ میں یہ امید لگائے بیٹھا ہوں کہ میرے دلیز پر قدم رکھتے ہی مرغ سرکس کے طوطے کی مانند تو پ چلا کر سلامی دیں گے یا چوزے میرے پاؤں میں وقادار کتے کی طرح لوٹیں گے، اور مرغیاں اپنے اندھے ”پردم بتوما یہ خویش را“ لے کہتی۔ مجھے سونپ کر ائٹے قدموں واپس چلی جائیں گی۔ تاہم پا تو جانور سے خواہ وہ شرعاً حلال ہی کیوں نہ ہو، یہ موقع نہیں کی جاتی کہ وہ ہر چیز کو چھری سمجھ کر بد کئے گے اور مہینوں کی پروش و پرداخت کے باوجود حاضر اپنے جملی تعصب کی بنی پر ہر مسلمان کو اپنے خون کا پیاسا تصور کرے۔

ایک عام خوش نہیں جس میں تعلیم یافتہ اصحاب بالعلوم اور اردو شعر اپنے خصوصی عرصے سے بتتا ہیں، یہ ہے کہ مرغ صرف صبح اذان دیتے ہیں۔ اٹھارہ مہینے اپنی عادات و خصال کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس تیجے پر پہنچا ہوں کہ یا تو میں جان بوجہ کر میں اس وقت سوتا ہوں جو قدرت نے مرغ کے اذان دینے کے لیے مقرر کیا ہے یا یاد کر اس وقت اذان دیتا ہے جب خدا کے گناہگار بندے خواب غفلت میں پڑے ہوں۔ بہر صورت ہمارے محبوب ترین اوقات اتوار کی صبح اور سہ پہر ہیں۔ آج بھی چھوٹے قصبوں میں کثرت سے ایسے خوش عقیدہ حضرات مل جائیں گے جن کا ایمان ہے کہ مرغ بامگ نہ دے تو پوچھیں پھٹتی لہذا کفایت شعار لوگ الارم والی نائم چیز خریدنے کے مجائے مرغ پال لیتے ہیں تاکہ ہمسایوں کو سحر خیزی کی عادت رہے۔ بعضوں کے گلے میں قدرت نے وہ سحر جلال عطا کیا ہے کہ نیند کے ماتے تو ایک طرف رہے، ان کی بامگ سن کر ایک دفعہ قمر دہ بھی کافی پتھروں کے اکثر وہ بیٹھ جائے۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ دوسرے جانوروں کے مقابلے میں مرغ کی آواز، اس کی جسامت کے لحاظ سے کم از کم سو گناہ زیادہ ہوتی ہے۔

میں اپنی دولت آپ کے پرداز کرتا ہوں۔

۱

میر اخیال ہے کہ اگر گھوڑے کی آواز بھی اسی تناسب سے بنائی گئی ہوتی تو تاریخی جنگوں میں توپ چلانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اب یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آخر مرغ اذان کیوں دیتا ہے؟ ہم پرندوں کی نفیات کے ماہرین۔ البتہ معترض بزرگوں سے سخت چلے آئے ہیں کہ صبح دم چریوں کا چچہانا اور مرغ کی اذان دراصل عبادت ہے لہذا جب مرزا عبد اللہ ودیگ نے ہم سے پوچھا کہ مرغ اذان کیوں دیتا ہے؟ تو ہم نے سید ہے سجادہ بھی جواب دیا کہ اپنے رب کی حمد و شاکرتا ہے۔ کہنے لگے ”صاحب! اگر یہ جانور واقعی اتنا عبادت گزار ہے تو لوگ اسے اتنے شوق سے کیوں کھاتے ہیں؟“

ایک دن موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ تحکما نانہ بارش میں شرابو رگھ پہنچا تو یکھا کہ تم مرنے میرے پنگ پر ہیں۔ سفید چادر پر جا بجا پنجوں کے تازہ نشان تھے۔ البتہ میری قبل از وقت واپسی کے سبب جہاں جہاں جگہ خالی رہ گئی وہاں سفید جسم نہایت بد نما معلوم ہو رہے تھے۔ میں نے ذرا درشتی سے سوال کیا ”آخر یہ گلا پچاڑ پھاڑ کے کیوں چین رہے ہیں؟“

بولیں ”آپ تو خواہ مخواہ الرجک ہو گئے ہیں۔ یہ بیچارے چونچ بھی کھولیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے چرار ہے ہیں؟“ میرے صبر کا پیارہ لبریز ہو گیا۔ دل نے کہا ”بس بہت ہو چکا۔ آواج دو ٹوک فیصلہ ہو جائے۔ اس گھر میں اب یا تو یہ رہیں گے یا میں“ میں نے پھر کر کہا۔ ان کی آنکھوں میں سچ آنسو بھر آئے۔ ہر اساح ہو کر کہنے لگیں ”مینہ برستے میں آپ کہاں جائیں گے؟“ اس جس کے بارے میں ایک مایوس کن اکشاف یہ بھی ہوا کہ خواہ آپ موتی چکائیں، خواہ سونے کا نوالا کھلائیں، مگر اس کو کیڑے کوڑے، جھیلک، بھیک، چبوٹے اور کچپوے کھانے سے بازنہیں رکھ سکتے اور میں یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں کہ اس کا اثر و نفع اثڈے میں نہ ہو۔۔۔ پھر موپساں کے ایک افسانے کا ہیر و اگر یہ دعویٰ کرے کہ وہ زردی کی بو سے یہ بتا سکتا ہے کہ مرغی نے کیا کھایا تھا، تو اجنبیہ کی بات نہیں۔ خود ہمارے ہاں ایسے ایسے لاکن قیافہ شناس وال روٹی پر جی رہے ہیں جو ذرا سی بوٹی پچھے کے بکری کے چارے کا مفصل حال بتا سکتے ہیں۔ آپ نے سنا ہو گا کہ محلی اور بھروسہ کی خاصیت اور چوپا یوں کی خصلت کے پیش نظر بعض غاست پرندوں والیاں ریاست اس بات کا بڑا خیال رکھتے تھے کہ جن بھینوں کے دودھ کی بالائی ان کے دستر خوان پر آئے، ان کو صبح و شام پادام اور پیتے کھلانے جائیں تاکہ اس کا اصل ذائقہ اور مہک بد جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں محمد و دودھ کی خوبی یہ تھی کہ اسے پی کر کوئی یہ نہ کہ سکے کہ یہ دودھ ہے۔

ایک اور عجیین غلط فہمی جس میں خواص و عوام بدلنا ہیں اور جس کا ازالہ میں رقاوہ عام کے لیے نہایت ضروری خیال کرتا ہوں، یہ ہے کہ مرغیاں دڑبے اور ناپے میں رہتی ہیں۔ میرے دیزہ سال کے مخفق مرگ بھر پور تجوہ بے کا نجوزی یہ ہے کہ مرغیاں دڑبے کے سوا ہر جگہ نظر آتی ہیں اور جہاں نظر نہ آئیں وہاں اپنے درود و نزول کا ناقابل تردید ثبوت چھوڑ جاتی ہیں۔ ان آنکھوں نے بارہا غسل خانے سے اٹھے اور کتابوں کی الماری سے جیتے جا گئے چوزے نکلتے دیکھے۔ لحاف سے کڑک مرغی اور دڑبے سے شیوکی پیالی برآمد ہونا روزمرہ کا معمول ہو گیا اور یوں بھی ہوا کہ شیلیفون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر رسیور اٹھایا۔ مگر میرے ”ہیلو“ کہنے سے پیشتر ہی مرغ نے میری ناگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اذان دی اور جن صاحب نے از راہ تکلف مجھے یاد فرمایا تھا انھوں نے ”سوری! رانگ نمبر!“ کہ کرجھٹ فون بند کر دیا۔ قصہ مختصر چندی میں میں اس طائر لہوتی نے گھر کا وہ نقشہ کر دیا کہ اسے دیکھ کر وہی شعر پڑھنے کو جی چاہتا تھا، جو

قدرے مختلف حالات میں، حنابری نے حاتم طائی کو سنا یا تھا:

۔ یہ گھر جو کہ میرا ہے تیرا نہیں
پر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں

اب گھر اچھا خاصا پولٹری فارم (مرغی خانہ) معلوم ہوتا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ پولٹری فارم میں عام طور سے اتنے آدمیوں کے رہنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جو حضرات آلام دینوی سے عاجزو پریشان رہتے ہوں، ان کو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ مرغیاں پال لیں۔ پھر اس کے بعد پرداہ غیب سے کچھ ایسے نئے مسائل اور فتنے خود بخود انٹھ کھڑے ہوں گے کہ انھیں اپنی گزشتہ زندگی جنت کا نمونہ معلوم ہوگی۔

(چراغ تھے)

مشق

- 1- درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔
- 2- مصنف کے خیال میں مرغی کا صحیح مقام کیا ہے؟
- iii- میزبان کے اخلاص و ایثار کا اندازہ کن باتوں سے ہوتا ہے؟
- iii- گندے اندوں کا موزوں محل استعمال کیا ہے؟
- v- مرغ کی آواز اور جسمت میں کیا تناسب ہے؟
- vii- سبق کے حوالے سے مختصر جوابات لکھیں۔ جواب تین سطور سے زیادہ طویل نہ ہو۔
- i- مصنف کے درست اپنی مرغیاں، مصنف کو کیوں دینا چاہتے تھے؟
- ii- کفایت شعار لوگ مرغ کیوں پالتے ہیں؟
- iii- ”اس گھر میں اب یا تو یہ ہیں گے یا میں!“ یہ جملہ ملمعہ نے کس موقع پر کے کہا اور نتیجہ کیا تھا؟
- viii- مرغیوں کی پسندیدہ خواراں کیا ہے؟
- v- ”سوری! رانگ نہر“ سے مصنف کا جو تجربہ وابستہ ہے، بیان کیجیے۔
- 3- مندرجہ ذیل عبارات کی تشریح، حوالہ متن اور سیاق و سبق کے ساتھ کریں۔
- i- میمیوں ان کی پیاسا تصویر کرے۔

- ii- ایک عام خوش بھی غفلت میں پڑے ہوں۔

- 4- مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کریں:

پردوہ غیب، راجح عقیدہ، عمر طبعی، گنجائش، خوش بھی۔

- 5- مناسب الفاظ لگا کر خالی جگہ پر کریں:

- i- میں گھر میں پالنے کا رواہار نہیں۔

- ii- انسان صرف روٹی پر ہی نہیں رہتا۔

- iii- اختلاف کی نظر نہ آئی۔

- iv- انسان محبت کا ہے۔

- v- مرغ صرف صحیح اذان دیتے ہیں۔

نظم حصہ

کون جانے چھے ، کہاں تو ہے
سو ننانوں پر بے نشان تو ہے
کہیں پہاں، کہیں عیاں تو ہے
میزبان تو ہے، مہماں تو ہے
خوب دیکھا تو باغبان تو ہے
دوسرا کون ہے ، جہاں تو ہے
لاکھ پردوں میں ہے تو بے پردہ
تو ہے خلوت میں، تو ہے جلوت میں
نہیں تیرے سوا، بیہاں کوئی
رنگ تیرا، چن میں بو تیری
محرم راز تو بتتے ہیں امیر
جس کو کہتے ہیں راز دال ، تو ہے

مشق

1- "حمد" کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے یہچے دیے گئے ہر سوال کے درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔

2- ایسی نظم جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جائے اسے کیا کہتے ہیں؟

ل- حمد ب- نعمت ج- منقبت د- قصیدہ

ii- یہ "حمد" کس شاعر کی تخلیق ہے؟

ل- مولانا ظفر علی خاں ب- امیر میانی ج- بہزاد کھنوری د- ماجہر القادری

2- ہر شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز اور ہم وزن الفاظ کو "قافیہ" کہتے ہیں جبکہ قافیہ کے بعد بار بار جوں کے توں دھرائے جانے والے الفاظ "رویف" کہلاتے ہیں۔ اب آپ بتائیے۔

3- اس حمد میں رویف کیا ہے؟

ل- تو ہے د- راز دال تو ہے ب- ہے ج- کہاں تو ہے

ii- اس حمد میں "قافیہ" کیا ہے؟

ل- جہاں، کہاں، باغبان ب- تو ہے ج- ہے د- ڈیتیری

3- حمد میں شامل مندرجہ ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کی تذکیرہ و تائیث واضح ہو جائے۔
خلوت۔ جلوت۔ نشان۔ میزبان۔ چن۔ بُو۔ جلوہ۔

4- اس "حمد" کا خلاصہ زیادہ سے زیادہ دس جملوں میں تحریر کریں۔

5- اس حمد کا مرکزی خیال ایک یادو جملوں میں تحریر کریں۔

6- کسی اور شاعر کی کوئی اچھی سی "حمد" تلاش کر کے اپنی ڈائری میں لکھیں۔

نعت

تو مقصیدِ تحقیق ہے، تو حاصلِ ایمان
 جو تجوہ سے گریزاں، وہ خدا سے ہے گریزاں
 کردار کا یہ حال، صداقت ہی صداقت
 آخلاق کا یہ رنگ کہ قرآن ہی قرآن
 کیا نام ہے، شامل ہے جو عجیب و اذان میں
 اس نام کی عظمت کے ہیں قربان، دل و جان
 اشکوں سے ترے، دین کی سختی ہوئی سیراب
 فاقوں نے ترے، دہر کو بخشنا سروسامان
 انسان کو شاستر و خوددار بنایا
 تہذیب و تمدن، ترے شرمندہ احسان
 رحمت کا یہ عالم ہے، مرقت کا یہ انداز
 ماہر سا گنہگار ہے، ولیست داماء!

مشق

سوال 1۔ نعت کے متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے دیے ہوئے جوابات میں سے درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔

i. جس نظم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی جائے اسے کیا کہتے ہیں؟

ل۔ محمد ب۔ نعت ج۔ منقبت د۔ قصیدہ

ii. اس نعت کے شاعر کا نام کیا ہے؟

ل۔ علام اقبال ب۔ مولانا حامی ج۔ ماہر القادری د۔ عبدالعزیز خالد

iii. اس نعت میں روایت کیا ہے؟

ل۔ ایمان ب۔ احسان ج۔ داماء د۔ روایت موجود نہیں

-iv- مندرجہ ذیل میں سے کون سا لفاظ نعت کا قافیہ ہے؟

ل۔ گریزان ب۔ فاقوں ج۔ اذان د۔ اشتوں

سوال 2- مندرجہ ذیل شعر کی تعریج کریں۔

کردار کا یہ حال، صداقت ہی صداقت

آخلاق کا یہ رنگ کہ قرآن ہی قرآن

سوال 3- مندرجہ ذیل شعر کا مرکزی خیال لکھیں۔

انسان کو شاستہ و خوددار بنایا

تہذیب و تمدن ترے شرمندہ احسان

سوال 4- اس نعت میں استعمال ہونے والے قافیوں کی نشاندہی کریں۔

سوال 5- مندرجہ ذیل الفاظ کا مفہوم لکھیں:

حاصل، گریزان، صداقت، عظمت، سیراب۔

سوال 6- اس نعت میں سے اپنی پسند کے دو شعر لکھیں اور اپنی پسند کی وجہ بھی بیان کریں۔

سوال 7- کسی اور شاعر کی کوئی نعت اپنی ڈائری میں لکھیں اور اس کے قافیوں کی نشاندہی کریں۔

ناظیرا کبرا آبادی
(1735ء-1830ء)

تسلیم و رضا

ہر کام میں پورے ہیں، وہ ہر حال میں خوش ہیں
گر ماں دیا یار نے تو ماں میں خوش ہیں
بے زر جو کیا تو اُسی احوال میں خوش ہیں
ا فلاں میں 'ادبار میں' اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
گر یار کی مرضی ہوتی، سر جوڑ کے بیٹھے
موڑا انھیں جیدھر، وہیں منہ موڑ کے بیٹھے
اور شال اڑھائی تو اسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
گر اُس نے دیا غم تو اُسی غم میں رہے خوش
کھانے کو ملا کم تو اسی کم میں رہے خوش
دکھ درد میں، آفات میں، جنجال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
جینے کا نہ اندوہ، نہ مرنے کا ذرا غم
واقف نہ برس سے، نہ مینے سے وہ اک دم
دن رات، گھڑی پھر، مہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
آن کے تو جہاں میں، عجب عالم ہیں ناظیر، آہ
سب ایسے تو دُنیا میں ولی، کم ہیں ناظیر، آہ
ہر وقت میں، ہر آن میں محروم ہیں ناظیر، آہ
کیا جائے، فرشتے ہیں کہ آدم ہیں ناظیر، آہ
جس ڈھال میں رکھا، وہ اُسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

مشق

1- نظم "تسلیم و رضا" کے متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔

i- اس نظم میں "مرد" سے کیا مراد لگئی ہے؟

ل- بچے ب- بوڑھے ج- خواتین د- تمام انسان

ii- "پورتے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں" مصرع نظم "تسلیم و رضا" کے

ا- ہر بند کا آخری مصرع ہے۔ ب- دوسرے اور تیسرے بند کا آخری مصرع ہے۔

ج- آخری بند کا آخری مصرع ہے۔ د- صرف پہلے بند کا آخری مصرع ہے۔

iii- "جو فقیر میں پوربے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں" کا دوسرा مصرع کیا ہے؟

ل- اخلاص میں، ادب میں، اقبال میں خوش ہیں ب- بے زرب کیا تو اسی احوال میں خوش ہیں

ج- دکھ درد میں، آفات میں، جنجال میں، خوش ہیں د- ہر کام میں، ہر دام میں، ہر حال میں، خوش ہیں

نظم "تسلیم و رضا" کا مرکزی خیال تحریر کریں جو تمن سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

2- نظم "تسلیم و رضا" کے تیسرے بند کی تشریح کریں۔

3- نظم "تسلیم و رضا" کے ہم آواز الفاظ کے پانچ پانچ جوڑے لکھیں جیسے:

حال، مال

4- نظم "تسلیم و رضا" کا خلاصہ لکھیں جو دس جملوں سے زیادہ نہ ہو۔

5- نظیر اکبر آبادی کی کوئی اخلاقی نظم پڑھیں اور اُس کے پسندیدہ اشعار اپنی ڈائری میں لکھیں۔

6- اپنے تعلیمی ادارے کے میگرین کے لیے نظیر اکبر آبادی کے چند اشعار منتخب کریں۔

میدانِ کربلا میں صبح کا منظر

شندی ہوا میں ، بزرہ صحراء کی وہ لہک
شمائے جس سے ، اطیں زنگاری فلک
وہ جھومتا درختوں کا ، پھولوں کی وہ مہک
ہر بُرگِ گل پہ ، قطرہ شبنم کی وہ جھک
بیرے خل تھے ، گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے ، جواہر نگار تھے
وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا
وہ جوش گل ، وہ نالہ مرغان خوش نوا
پھولوں سے بزرہ شجر ، سرخ پوش تھے
تحالے بھی خل کے ، بد گل فروش تھے
وہ دشت وہ نیم کے جھوکے ، وہ بزرہ زار
انھنا وہ تھوم تھوم کے شاخوں کا ، بار بار
پھولوں پہ جا بجا ، وہ گھرہائے آب دار
بالائے خل ایک جو بلبل تو گل ، ہزار
خواہاں تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گاب کے

وہ قریوں کا چار طرف سرو کے ، بھوم
سیجان رینا کی صدا تھی ، علی التعموم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ، رب علی کی مذبح
ہر خار کو بھی نوک زبان تھی ، خدا کی مذبح
^{چیزوں میں} ہاتھ اٹھا کے ، یہ کہتی تھی ، بار بار
ای دانہ کش ضعیفوں کے رازق ، ترے نثار
یا جئی یا قدری کی تھی ہر طرف پنکار
ظاہر ہوا میں مت ، ہر بزرہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچمار میں

مشق

- 1- ”میداں کر بلا میں صبح کا منظر“ پیش نظر رکھتے ہوئے یونچ دیے گئے ہر ذرست جواب کے شروع میں (ک) کا نشان لگائیں۔
 i- برگیں گل پر کس کی جھلک تھی؟
 ii- آفتاب کی کرن کی ب۔ قطرہ شبسم کی
 iii- مہتاب کی کرن کی د۔ ابھم کی کرن کی
 iv- صبح کی ہوا کے سردی بخشی تھی؟
- 1- روح کو ب۔ جان کو ج۔ دل کو د۔ جگر کو
 2- ”اے دانش ضعیفوں کے رازق ترے نثار“ کس کی زبان پر تھا؟
 i- جیونٹی کی ب۔ ہرن کی ج۔ شیر کی د۔ قمری کی
 ii- نظم ”میداں کر بلا میں صبح کا منظر“ کا مرکزی خیال تحریر کریں جو تین جملوں سے زائد ہو۔
 iii- مختصر جواب لکھیں جو تین سطروں سے زائد ہو۔
- 2- ”پبلے بند کے پبلے دنوں اشعار کے قوانی کی نشان دہی کریں۔
 i- نظم کا کوئی ایسا شعر لکھیں جس میں روایت موجود ہے۔
 ii- اس نظم میں کن کن جانوروں اور پرندوں کے نام آئے ہیں؟
 iii- نظم ”میداں کر بلا میں صبح کا منظر“ کے آخری بند کی تشریح کریں۔
- 3- نظم ”میداں کر بلا میں صبح کا منظر“ کا خلاصہ لکھیں جو زیادہ وسیع جملوں پر محیط ہو۔
- 4- ان تراکیب کا مطلب لکھیں۔
 i- سبزہ صمرا، جوشیں گل، نالہ مرغان خوش نوا، برگیں گل، نالہ حق برڑہ۔

مولانا فقر علی خان

(1873ء-1956ء)

مستقبل کی جھلک

کوئی دن جاتا ہے پیدا ہوگی اک دنیا نئی
خون مسلم صرف تعمیر جہاں ہو جائے گا

بجلیاں غیرت کی تڑپیں گی فضائے قدس میں
حق عیاں ہو جائے گا ، باطل نہاں ہو جائے گا

ان کو اکب کے عوض ، ہوں گے نئے انجمن طویں
ان دونوں رخشندہ تر ، یہ آسمان ہو جائے گا

پھر نے محمود ہوں گے حایا دین میں
بچپن بچپن ، غیرتی الپ ارسلان ہو جائے گا

میرے جیسے ہوں گے پیدا ، سکدوں اہل خن
ملکہ قائدِ جن کا ، آزادی کی جاں ہو جائے گا

ڈھائی جائے گی پنا ، یورپ کے استخار کی
ایشیا ، آپ اپنے حق کا پاسباں ہو جائے گا

نغمہ آزادی کا گونجے گا حرم اور ذیر میں
وہ جو دارالحرب ہے ، دارالامان ہو جائے گا

ہم کو سودا ہے غلائی کا ، کہ آزادی کی ڈھن
چند ہی دن میں ، ہمارا امتحان ہو جائے گا

اس بشارت کو نہ بھجو ، ایک دل خوش گن قیاس
جس کو سُن کر ہر مسلمان ، شادماں ہو جائے گا

جس ہے میرا حرف حرف اور جس کو اس میں شک ہے آج
دیکھ لینا کل مرا ، ہم داستان ہو جائے گا

مشق

- نظم کا متن پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔

i. 'ہوجائے گا' اس نظم میں کیا ہے؟

ل۔ تشبیہ ب۔ استعارہ ج۔ قافیہ د۔ ردیف

ii. کو اکب کے عوض کیا ط loose ہوں گے؟

ل۔ نے خورشید ب۔ نے ماہتاب ج۔ نے اتمم د۔ نے اجرام

iii. کن کا نکتہ نکتہ آزادی کی جاں ہوگا؟

ل۔ اہل قلم کا ب۔ اہل خن کا ج۔ اہل وفا کا د۔ اہل بہر کا

iv. دین میں کے حامی کون ہوں گے؟

(ر) نے محمود ب۔ نے ایاز ج۔ نے طارق د۔ نے ایوبی

2. رخشندہ تر، محمود، دین میں۔ یورپی استعمار۔ خوش کن قیاس کے مفہوم کی وضاحت کریں۔

3. تلحیح کی تعریف لکھیں اور اس نظم کے اُس شعر کی تشرح کریں جس میں تلحیح استعمال ہوئی ہے۔

4. نظم "مستقبل کی جملک" کا خلاصہ تحریر کریں جو دس جملوں سے زیادہ نہ ہو۔

5. نظم "مستقبل کی جملک" کا مرکزی خیال ایک دو جملوں میں تحریر کریں۔

6. نظم "مستقبل کی جملک" کے پہلے اور آخری شعور کی تشرح کریں۔

7. مولانا ظفر علی خاں کی ملی حوالے سے لکھی گئی کوئی اور نظم ڈائری میں لکھیں اور شیٹوں میں گروپ میں سنائیں۔

آخر شیرانی

(1903ء-1948ء)

برسات

گھناؤں کی نیل فام پریاں، افق پر دھومیں مچاری ہیں
ہواوں میں تحریر رہی ہیں، فضاوں کو گد گدا رہی ہیں

چمن ہلفتہ، دمن ہلفتہ، گلاب تحداں، سمن ہلفتہ
بنش و نترن ہلفتہ ہیں، پیاس مسکرا رہی ہیں

یہ مید کے قطرے چل رہے ہیں، کہ نخے سیارے ڈھل رہے ہیں
افق سے موئی ابل رہے ہیں، گھنائیں موئی لٹا رہی ہیں
نہیں ہے کچھ فرق بج وبر میں، کھچا ہے نقشہ یہی نظر میں
کہ ساری دنیا ہے اک سمندر، بہاریں جس میں نہار ہیں

چمن ہے رنگیں، بہار رنگیں، مناظر سبزہ زار رنگیں
ہیں وادی و کوہ سار رنگیں، کہ جلیاں رنگ لا رہی ہیں

چمن میں اختر بہار آئی، ہمک کے صوت ہزار آئی
صا گلوں میں پکار آئی، انھو گھنائیں پھر آ رہی ہیں

مشق

i- "برسات" کے متن کو پیش نظر رکھ کر ہر درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔
ii- "نیل فام" سے کیا مراد ہے؟

- ا۔ سرخ رنگ کی
 - ب۔ نیلے رنگ کی
 - ج۔ سفید رنگ کی
- i- "افق" کے کہتے ہیں؟
- ا۔ اس جگہ کو جہاں زمین اور آسمان ملتے ہیں
 - ب۔ آسمان کو
 - ج۔ آسمان پر پھیلنے والی سرفحی کو

-iii- بقول شاعر ساری دینا کیا ہے؟

ل۔ ایک چمن ب۔ ایک دریا ج۔ ایک سمندر د۔ ایک نحایا رہ

2- مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کی تشریح کریں۔

بجود بر۔ مناظر بزرہ زار۔ وادی و کوہ سار۔ نیل قام۔ چمن۔

3- اس نظم میں ”ردیف“ کی نشان دہی کریں۔

4- ان اشعار کی تشریح کریں۔

گھٹاؤں کی نیل قام پریاں، افق پر دھومیں مجا رہی ہیں

ہواوں میں تحرثرا رہی ہیں، فضاوں کو گد گدا رہی ہیں

چمن شفقت، دمن شفقت، گلاب خدا، سمن شفقت

بغشہ و نترن شفقت ہیں، پیشان مُسکرا رہی ہیں

5- جب کسی لفظ کو اس کے اصل معنی کی بجائے مجازی معنی میں اس طرح استعمال کیا جائے کہ اصل اور مجازی معنی میں تشبیہ کا تعلق ہو تو

اُسے استعارہ کہتے ہیں۔ اس شعر میں استعارے کی نشان دہی کریں۔

یہ یہند کے قطرے پھل رہے ہیں کرنخے میارے ڈھل رہے ہیں

افق سے موئی ابل رہے ہیں، گھٹائیں موئی لٹا رہی ہیں

6- نظم ”برسات“ کا خاصہ لکھیے جو زیادہ دس جملوں پر محیط ہو۔

7- باعث کی سیر کا آنکھوں دیکھا حال لکھیں۔

ہلالِ استقلال

یہ استقلال کا پرچم ہے ، اسخام کا پرچم
شہیدوں غازیوں کے ہاتھ سے ، انعام کا پرچم
ہلائی خبر ، آنکھت شہادت کا اشارا ہے
یہ سيف اللہ کا پرتو ، فلک پر آشکارا ہے
ہلائی خبر قوی عطینہ ہے شہیدوں کا
جو خود قربان ہو کر ، بھر گئے دامن نویدوں کا
حسین این علیؑ کے اسوہ مرداش کا پرچم
برائے شمعِ ملت ، سوزش پروانہ کا پرچم
محمد این قاسمؑ کے سحابہ ہود کا پرچم
یہ طارقؑ کا ، صلاح الدینؑ کا ، حمودؑ کا پرچم
یہ پرچم ہے نشان ، عالم میں فتح و کامرانی کا
زمیں پر ابر رحمت ہے ، نوبیہ آسمانی کا
یہ پرچم ہے روایات عظیم الشان کا پرچم
یہی پرچم ہے استقلال پاکستان کا پرچم

مشق

- لفظ ”ہلالِ استقلال“ کے متن کو دنظر کھئے ہوئے ہر سوال کے درست جواب کے شروع میں ”✓“ کا نشان لگائیں۔

- شاعرنے کے ”زمین پر ابر رحمت“ کہا ہے؟

ل۔ ہلائی پرچم کو

ب۔ مال و دولت دنیا کو

ج۔ اشاعتِ اسلام کو

د۔ خوش حالی کو

ii- "سیف اللہ" سے شخصیت مراد ہیں:

ل۔ طارق بن زیاد

ب۔

محمود غزنوی

ج۔ خالد بن ولید ..

د۔ صلاح الدین ایوبی

iii- "ہلال نجیر قومی" کن کا عطیہ ہے؟

ل۔ مجاہدوں کا

ب۔

شہیدوں کا

ج۔ سیاست دانوں کا

د۔ فوجی جرنیلوں کا

2- اس نظم کے اشعار میں شامل تسبیحات کی الگ الگ وضاحت کریں۔

3- مندرجہ ذیل تراکیب کی وضاحت کریں۔

اعکشی شہادت، ہلال نجیر قومی، شمع ملت، سحابہ یود، فتح کامرانی، امیر رحمت، نوبید آسمانی، اُسوہ مردانہ۔

4- اس نظم کا خلاصہ لکھیں جو دس سطور سے زیادہ نہ ہو۔

5- اس نظم میں سے اپنے تین پسندیدہ اشعار منتخب کریں اُنھیں اپنی ڈائری میں لکھیں اور ٹینور میل گروپ میں پڑھ کر سنائیں۔

خطاب بہ جوانانِ اسلام

بھی اے نوجوان مسلم ! ندیوں بھی کیا تو نے ؟
 تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
 تمدن آفریں ، خلائق آئین جہادی
 سماں افقر فخری^۱ کا ، رہا شان امارت میں
 گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیر اتنے
 اگر چاہوں تو نقشِ کھنچ کر الفاظ میں رکھ دوں
 تجھے آپ سے اپنے ، کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
 گنودی ہم نے ، جو اسلاف سے میراث پائی تھی
 حکومت کا تو کیا روتا ، کہ وہ اک عارضی شے تھی
 مگر وہ علم کے موتو ، کتابیں اپنے آبا کی
 "دفعی روزی سیاہ ہیر کھان را تمثاگن
 کہ ثور دیدہ اش روشن لند پھرم زینخ را"^۲

^۱ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امارت کی بجائے فقر پر فخر محسوس کیا۔ "افقر فخری" آپؐ کے الفاظ مبارک ہیں۔

^۲ خوب صورت چہرے کو ظاہری زیباش کی حاجت نہیں ہوتی۔ (حافظ شیرازی کا مصرع ہے)

^۳ اے غنی لمبر لمحان کی بدصیبی تو دیکھ کے ان کی آنکھوں کا تو رزینا کی آنکھوں کو روشن کر دہا ہے (یہ شعر غنی کا شیری کا ہے)۔

پیغام ۱

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے ذہقان! ذرا
دانہ ٹو، بھیجی بھی ٹو، باراں بھی ٹو، حاصل بھی ٹو
آہ! کس کی جبتو آوارہ رکھتی ہے بچھے
راہ ٹو، رہرو بھی ٹو، رہبر بھی ٹو، منزل بھی ٹو
کانپتا ہے دل ترا، اندر ٹو طوفان سے کیا
ناخدا ٹو، بحر ٹو، کشتی بھی ٹو، ساحل بھی ٹو
دیکھ آکر کوچھ چاک گریاں میں کبھی!
قیس ٹو، بیل بھی ٹو، صمرا بھی ٹو، محفل بھی ٹو
وائے نادانی! کہ تو محتاج ساقی ہو گیا
ئے بھی ٹو، بینا بھی ٹو، ساقی بھی ٹو، محفل بھی ٹو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیراللہ کو
خوف باطل کیا کہ ہے عارت گر باطل بھی ٹو
بے خبرا ٹو جوہر آئینہ یام ہے
ٹو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

مشق

1۔ علام محمد اقبال کی نظموں کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں:

ن۔ علام محمد اقبال نے ”خطاب بہ جوانان اسلام“ کے پہلے شعر میں مسلم نوجوان سے کیا کہا ہے؟

ل۔ مذہبی کیا تو نے؟ ب۔ تصویر بھی کیا تو نے؟

ج۔ ارادہ بھی کیا تو نے؟ د۔ تحریک بھی کیا تو نے؟

ii۔ مسلم نوجوان کو کس قوم نے آغوش محبت میں پالا ہے؟

ل۔ جس نے شہنشاہ و روم کو نگست دی ب۔ جس نے قیصر و کسری پر فتح پائی

ج۔ جس نے آدمی دنیا پر حکومت کی د۔ جس نے تاج سردار اچل ڈالا

ل۔ یہ اشعار نظم ”مشق اور شاعر“ سے لیے گئے ہیں۔

-iii۔ "مُنْعِمٌ" کے لغوی معنی ہیں۔

دولت مدنگی

ب۔ انعام و اکرام

و۔ تجی بادشاہ

ل۔ انعام پانے والا

ج۔ انعام پانے والا میں آنے والی تلمیحات کی مختصر تشریح کریں جو تین تین سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

2۔ "خطاب بہ جوانان اسلام" میں آنے والی تلمیحات کی مختصر تشریح کریں جو تین تین سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

3۔ مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کریں۔

الف۔

حکومت کا توکیارونا کہ وہ اک عارضی شے تھی نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موئی کتابیں اپنے آبا کی جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

ب۔

شعلہ بن کر پھوٹک دے غاشاک غیر اللہ کو خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

4۔ "خطاب بہ جوانان اسلام" اور "پیغام" کا مرکزی خیال لکھیں۔

5۔ "خطاب بہ جوانان اسلام" اور "پیغام" کا خلاصہ لکھیں۔

6۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کریں۔

تدبر، تاج سردار، مُنْعِمٌ، حکومت کارونا، اندیھہ طوفان، آئین مسلم، سیپارا۔

اپسٹریکٹ آرٹ ۔

اپسٹریکٹ آرٹ کی دیکھی تھی نمائش میں نے
 کی تھی ازراو مرقت بھی ستائش میں نے
 آج تک دونوں ٹنگاہوں کی سزا پاتا ہوں
 لوگ کہتے ہیں کہ کیا دیکھا تو شرماتا ہوں
 ایک تصویر کو دیکھا جو مکال فن تھی^{تھی}
 بھیں کے جسم پر اک اونٹ کی سی گردان تھی^{تھی}
 ناگ کچنچی تھی کہ مساوک ہے کہتے ہیں
 ناک وہ ناک خطرناک ہے کہتے ہیں
 ایک تصویر کو دیکھا کہ یہ کیا رکھا ہے
 ورق صاف پر رنگوں کو گرا رکھا ہے
 آڑی ترجیح سی لکیریں تھیں وہاں جلوہ^{قلن}
 کرنے ہوئے آئینے پر سورج کی
 اس نمائش میں جو اطفال چلے آتے تھے
 ڈر کے ماں کے کیلے سے لپٹ جاتے تھے
 الغرض جائزہ لے کر یہ کیا ہے انصاف
 آج تک کرنے کا اپنی خطا خود میں معاف
 میں نے یہ کام کیا ، سخت سزا پانے کا
 یہ نمائش نہ تھی اک خوب تھا دیوانے کا

مشق

- 1- درس جواب کے شروع میں (۷) کا نشان لگائیں۔
 i- شاعر نے تصاویر کی تعریف کیوں کی؟
- ل- ان سے متاثر ہو کر ب- فن کی بار بھی کو سمجھ کر
 ج- ان کی خوب صورتی کی وجہ سے د- محض مرقت سے
- ii- شاعر نے تصویر میں بھیں کے جسم پر کس چانور کی گردان دکھائی ہے؟
 ل- گائے کی ب- اونٹ کی
 ج- بکری کی د- ہاتھی کی
- iii- شاعر کے خیال میں نمائش حقیقت میں کیا تھی؟
 ل- ایک یاد گار نمائش ب- دیوانے کا خواب
 ج- آرٹ کی خدمت د- تصاویر کا قابل قدر نمونہ
- 2- مندرجہ ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کریں:
 نمائش، مصور، اطفال، جائزہ، نمائش۔
 3- نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔
 4- مختصر جواب دیں:
 i- شاعر نے کس قسم کے آرٹ کی نمائش دیکھی؟
 ii- کیا شاعر اس نمائش سے متاثر ہوا؟
 iii- شاعر نے اس نمائش کی تعریف کیوں کی؟
 iv- نمائش کی تصویریوں کا بچوں پر کیا اثر ہوا؟
 v- شاعر اس نمائش کو کیا قرار دیتا ہے؟
 5- نظم کے آخری دو اشعار کی تشریح کریں۔
 6- سید محمد جعفری کی کوئی اور مزاحیہ نظم اپنی ڈائری میں لکھیں۔

مرزا محمود سرحدی

(1913ء-1967ء)

قطعات

شاعر

کل ایک مفتر بھے کہتا تھا سر راہ
 شاید تری ملت کا ہے مٹے کا ارادہ
 میں نے یہ کہا اُس سے کوئی وجہ بھی ہو گی
 بولا کہ تری قوم میں شاعر ہیں زیادہ

اخباری اشتہار

نوکری کے لیے اخبار کے اعلان نہ پڑھ
 جان پچان کی باتیں ہیں، کہا مان، نہ پڑھ
 جن کو ملتی ہو، انھیں پہلے ہی مل جاتی ہے
 بس دکھاوے ہی کے ہوتے ہیں یہ فرمان نہ پڑھ

غفلت

اے ساقی گل فام رہا ہو ترا ٹونے
 باتوں میں بجا کر ہمیں وہ جام پلایا
 یہ حال ہے سو سال غلامی میں بسر کی
 اور ہوش ہمیں اب بھی مکمل نہیں آیا

جن کو انگریز کا قانون ہو اُزبر ان سے
اور سب پوچھ مگر شرع کے احکام نہ پوچھ
ریڈیو میں بھی جو قرآن کی تلاوت نہ شیش
ان مسلمانوں کی اولاد کا اسلام نہ پوچھ

مشق

- 1. محمود رحدی کے قطعات مدنظر کر مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:
- شاعر نے ملت کے ملنے کی کیا وجہ بیان کی ہے؟
 - "ساقِ مُلْ قَمْ" سے کیا مراد گئی ہے؟
 - "قطعہ غلط" میں ہماری کس خاص حالت کا ذکر کیا گیا ہے؟
 - قطعہ ریڈیو، اور اخباری اشتہار کا مرکزی خیال لکھیے۔
 - آپ کوون سا قطعہ پسند آیا اور کیوں؟

نوت: قطع عربی کا لفظ ہے، جس کا مطلب کاشنا یا لکھنے کرتا ہے۔ لفظ "قطعہ" اسی سے بنا ہے جس کا مطلب کاشنا ہوا کوئی حصہ یا لکھا ہے۔
اعنافِ خن کی اصطلاح میں قطعہ سے مراد کم و شعروں کا وہ حصہ ہے جو قصیدے اور غزل کی طرح ہم قافیہ یا ہم قافیہ و دریف ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ مضمون میں معنوی ربط یا تسلی ضروری ہے۔
کسی اور مراجید و طنزیہ قطعہ کو اپنی ڈائری میں لکھیں اور شوٹر میل گروپ میں پڑھ کر سائیں۔

لوکل بس

بس میں نک رہا تھا کوئی ، ہار کی طرح
کوئی پڑا تھا ، سایہ دیوار کی طرح
سبا بوا تھا کوئی ، گنجنگر کی طرح
کوئی پھنا تھا ، مرغ گرفتار کی طرح
محروم ہو گیا تھا کوئی ، ایک پاؤں سے
جوتا بدل گیا تھا کسی کا ، کھڑاؤں سے

گاڑی میں ایک شور تھا ، کندکڑ آگے چل
کہ دے خدا کے واسطے ، ہاں ٹھیک ہے ڈبل
کب نک کھڑا رہے گا سرچارہ عمل
لڑنے کی آرزو ہے تو باہر ذرا نکل
تجھ پہ خدا کی مار ہو ، اشارت کر دے بس
دو پیسے اور لے لے جو دولت کی ہے ہوس

کندکڑ اب یہ کہتا تھا ، وہ بس چلائے کیوں
جو بس میں آ گیا ہے ، کرے ہائے ہائے کیوں
جس کو ہو جاں عزیز ، مری بس میں آئے کیوں
ایسے ہی گل بدن تھے تو پیسے بجائے کیوں
ٹھانی ہے دل میں ، اب نہ دیں گے کسی سے ہم
نگ آ گئے ہیں ، روز کی کندکڑی سے ہم

مشق

- 1- نظم "لوکل بس" کے متون کو پیش نظر لکھ کر ہر درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔
 ا- بس میں کوئی لیک رہا تھا۔
 ب- گرفتار کی طرح
 ج- گنگہار کی طرح
 ii- لوگ کندکڑ کو کتنے پیسے اور دینے کو تیار تھے?
 ل- ہار کی طرح
 ج- بیمار کی طرح
 iii- کندکڑ سے ٹک آ گیا تھا؟
 ل- مسافروں سے
 ب- بس کی حالت سے
 ج- ٹک دتی سے
 2- اس نظم کے دوسرے اور تیسرا بند میں کندکڑ اور مسافر کے درمیان ہونے والی کھینچاتا نی کو مکالے کے انداز میں لکھیں۔
 3- مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کا مطلب لکھیں۔
 سایہ دیوار، مرغ گرفتار، سرچارہ عمل، گل بدن، کھڑاؤں۔
 نظم "لوکل بس" کا خلاصہ لکھیں۔
 4- "بس میں سفر" کی رواداد اڑی میں لکھیں۔
 5- کسی اور شاعر کی ایک مزاجیہ نظم اپنی ڈاڑی میں لکھیں اور یہ تو رویل گروپ میں پڑھیں۔
 6-

وحدانیت

ہے یہ شاہی فقط تجھے زیبا
تیری سلطوت کا ہی رہے چرچا
کوئی مشق نہیں ترے جیسا
میرا مقصد ہے بس ترا جلوا
دید سے اپنی بہرہ در فرما
میرا پیکر گنہ میں ہے ڈوبا
تیری رحمت کا پھر بھی ہے سودا
اے خدا، تو ہے واحد و یکتا
تو اگر قبر پر اُڑ آئے
اور اگر رحمتوں پر نائل ہو
قبر و رحمت پر قادر، اے ستار
جب قیامت کی آئے گی ساعت
میں جنوں کے ہوں جنوں سامان
باوجود یکہ پڑ ہوں عصیاں سے

(ترجمہ۔ طارق قریشی)

مشق

-i. نظم "وحدانیت" کے متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے، درج ذیل سوالات کے درست جواب پر (۷) کا نشان لگائیں۔
پہلے شعر میں اللہ تعالیٰ کی کس صفت کا ذکر ہے؟

-ii. (l). وحدت و یکتاً ب۔ سلطوت ج۔ رحمت د۔ شفقت
چوتھے شعر میں شاعر نے اپنے کون سے دلی مقصد کا اظہار کیا ہے؟

-iii. (l). اپنی مفترت کا حصول ب۔ اللہ کی رحمت کا حصول
ج۔ اللہ کے جلوے کا حصول د۔ توبہ کی توفیق کا حصول

-iv. شاعر نے اپنے پیکر کے بارے میں کیا کہا ہے؟

-v. (l). گنہ میں ڈوبا ہوا ہے۔ ب۔ بہت کمزور ہے
ج۔ جنوں سامان اور لاغر ہے۔ د۔ تمام قویٰ مضبوط ہیں

-vi. اس نظم کے تمام قوانین الگ الگ کر کے لکھیں۔

-vii. اس نظم کے اس شعر کی تشرح کریں جس میں تبعیج استعمال کی گئی ہو۔

-viii. اس نظم کا مرکزی خیال تحریر کریں جو تین سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

-ix. شاعر کو گنہگار ہونے کے باوجود کس بات کا سودا ہے؟

-x. نظم "وحدانیت" کا خلاصہ لکھیں۔

-xi. "وحدانیت" کس شاعر کے کام کا ترجمہ ہے۔

حصہ غزل

(1)

جس سر کو غرور آج ہے ، یاں تاج وری کا
کل ، اس پہ نئیں شور ہے ، پھر نوح گری کا
آفاق کی منزل سے گیا ، کون سلامت اسباب لٹا راہ میں ، یاں ہر سفری کا
ہر زخم جگر داود محشر سے ہمارا انصاف طلب ہے ، تری بیدا اگری کا
لے سانس بھی آہستہ ، کہ نازک ہے بہت کام آفاق کی اس کار سبھ شیشہ گری کا
نگ میر جگر سونختہ کی ، جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ ہے ، چنان ہری کا

(2)

گل کو ہوتا جا ! قرار اے کاش !
رتقی اک آدھ دن ، بھار اے کاش !
یہ جو دو آنکھیں ، مند گنیں میری
اس پہ وا ہوتیں ، ایک بار اے کاش !
رکھتے میرے بھی غم ، شار اے کاش !
کن نے اپنی مصیبیں نہ گنیں
جان آخر تو جانے والی تھی
اس پہ کی ہوتی ، میں شار اے کاش !
اس میں راہ خن نلکی تھی شعر ہوتا ترا شعار ، اے کاش !
شش جہت اب تو نگ ہے ہم پر
اس سے ہوتے نہ ہم ، دو چار اے کاش !

مشق

1۔ شامل نصاب میر کی پہلی غزل میں تاج وری، نوج گری، سفری، بیدا دگری، شیشہ گری اور چانغ ہجری ہم آواز الفاظ ہیں۔ شعری اصطلاح میں ایسے ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔ اسی غزل کے ہر شعر میں قافیہ کے بعد ”کا“ بغیر کسی رو دبل کے استعمال ہوا ہے۔ ایسے لفظ یا الفاظ کو شعری اصطلاح میں ردیف کہتے ہیں۔ قافیہ کا لغوی مفہوم ہے پے در پے آنے والا، پیچھے پیچھے آنے والا۔ اصطلاحی مفہوم میں قافیہ ان ہم آواز الفاظ کو کہتے ہیں جو غزل یا قصیدے کے مطلع کے دونوں مصراعوں میں اور باتی تمام اشعار کے ہر دوسرے مصرع کے آخر پر اور ردیف سے پہلے آتے ہیں۔ جیسے دونوں غزلوں میں تاج وری، سفری، قرار، بہار وغیرہ۔

ردیف کا لغوی مفہوم ہے گھر سوار کے پیچھے بیٹھنے والا۔ اصطلاحی معنی میں اس سے مراد وہ لفظ یا الفاظ ہیں جو غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کے دونوں مصراعوں میں اور باتی تمام اشعار کے ہر دوسرے مصرع کے آخر پر قافیہ کے بعد ہو، بہود ہرائے جاتے ہیں۔ جیسے پہلی غزل میں ”کا“۔

آپ میر کی دوسری غزل کے قوانی اور ردیف کی نشان وہی کریں۔

2۔ غزل کا پہلا شعر، جس کے دونوں مصراعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں، مطلع کہلاتا ہے۔ میر کی دونوں غزلوں کے مطلع لکھیں اور ان کی تشریح کریں۔

3۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سے درست جواب پر نشان ”✓“ لگائیں۔

i۔ ”جس سر کو خرو راج ہے یاں تا جوری کا“..... کس شاعر کی غزل کا مصرع ہے؟

ii۔ علامہ اقبال کی ب۔ مولانا حامی کی ج۔ آتش و۔ میر قی میر کی

iii۔ گل کو ہوتا صابر اڑاے کاش! رہتی ایک آدھ دن بہاراے کاش! یہ شعر غزل میں کیا ہے۔

iv۔ مطلع ب۔ مقطع ج۔ قافیہ د۔ ردیف

v۔ لگ میر جگر سوندھ کی جلد بخرا لے کیا یا رجھرو سا ہے چانغ ہجری کا یہ شعر غزل میں کیا ہے؟

vi۔ مطلع ب۔ مقطع ج۔ قافیہ د۔ ردیف

vii۔ میر قی میر کی وجہ شہرت کیا ہے؟

viii۔ نظم گوئی ب۔ مشنوی نگاری ج۔ غزل گوئی و۔ مزاجیہ شاعری

ix۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیں۔

تاج وری، بیدا دگری، چانغ ہجری، شش جہت، قرار۔

x۔ میر قی میر کی کوئی اور غزل لکھیں اور اس میں سے مطلع اور مقطع الگ کر کے لکھیں۔ اس غزل کے قافیہ اور ردیف بھی ترتیب وار لکھیں۔

(1)

خزانِ چمن سے ہے جاتی ، بہار راہ میں ہے
ہوائے دُور میئے خوش گوار ، راہ میں ہے
نہ کوئی شہر ، نہ کوئی دیار ، راہ میں ہے
عدم کے کوچ کی لازم ہے غفر ، ہستی میں
نہ بدرق ہے ، نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے
 فقطِ عنایت پروردگار ، راہ میں ہے
سفر ہے شرط ، مسافر نواز بیتھرے
ہزار بہ شیر سایہ دار ، راہ میں ہے
خدا تو دوست ہے ، دشمن ہزار ، راہ میں ہے
 مقام تک بھی ہم اپنے ، پہنچ ہی جائیں گے

تحکیمیں جو پاؤں تو چل سر کے بل ، نہ محشر آتش
گل مراد ہے منزل میں ، خار راہ میں ہے

(2)

بی آرزو تھی ، تجھے گل کے رو برو کرتے
ہم اور بدل بے تاب ، گفتگو کرتے
پیام بر نہ میسر ہوا تو ثوب ہوا زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے
مری طرح سے مہ مہربھی ہیں آوارہ کسی حبیب کی ، یہ بھی ہیں جنتو کرتے
ہمیشہ میں نے گریباں کو چاک کیا تمام عمر روفگر رہے ، رفونگو کرتے
نہ پوچھ ، عالم برگشتہ طالبی ، آتش
برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

مشن

- ۱۔ پہلی غزل میں ”راہ میں ہے“، ردیف ہے۔ آتش کی دوسری غزل میں ”ردیف“ کی نشان دہی کریں۔

شامل نصاب آتش کی غزوں کو پیش نظر کر کیجئے گئے ہر سوال کے درست جواب پر (✓) لکائے۔

- ۲۔ سافرنواز کے کہا گیا ہے؟

l۔ راہبر قافلہ کو ب۔ شجر سایہ دار کو ج۔ سامان سفر کو د۔ منزل مقصود کو

- ii۔ ”عدم کے کوچ“ سے کیا مراد ہے؟

l۔ دوسری دنیا کا سفر ب۔ زندگی کا سفر ج۔ عام سفر د۔ فتحی سفر

- iii۔ بدرقه اور رفیق ساتھ نہ ہو تو کون کام آتا ہے؟

l۔ اپنی ہمت ب۔ اپنی ذات ج۔ سامان سفر د۔ عنایت پروردگار

- 3۔ مختصر جواب دیں۔

- i۔ آتش کی وجہ شہرت کیا ہے؟

- ii۔ آتش کی دوسری غزل کے قافية ترتیب وار لکھیں۔

- iii۔ دوسری غزل کے مقطع کو پیش نظر کر بتائیں کہ آتش اپنی قسمت کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

- iv۔ اس غزل کے مطلع میں آتش نے کیا آرزو کی ہے؟

- 4۔ آتش کی دوسری غزل کے دوسرے شعر کی تشریح کریں۔

- 5۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کریں۔

مسافرنواز، زبانِ غیر، ہوائے دور میں خوش گوار، گل مراد، بدرقه۔

- 6۔ آتش کی کوئی اور غزل لکھیں اور اس کا مطلع اور مقطع لکھنے کے بعد اس کے قافية اور ردیف ترتیب وار لکھیں۔

میرزا خان داع

(1905ء-1831)

(1)

اہل مر رہی ٹو ، کہاں آتے آتے
پھرے راہ سے وہ ، یہاں آتے آتے
بہت دیر کی ، مہرباں آتے آتے
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
سنانے کے قابل جو تھی بات ان کو
وہی رہ گئی ، درمیاں آتے آتے
مرے آشیاں کے تو تھے چار تکے
چمن اُز گیا ، آندھیاں آتے آتے
نہیں کھیل اے داع ! یاروں سے کہ وہ
کم آتی ہے اردو زبان ، آتے آتے

(2)

جھوٹی قسم سے ، آپ کا ایمان تو گیا
خاطر سے یا لحاظ سے ، میں مان تو گیا
ائی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا
دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
سنناں گھر یہ کیوں نہ ہو ، مہمان تو گیا
ذرتا ہوں دیکھ کر دل بے آرزو کو میں
لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا
افشاۓ راز عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر
مجھ کو وہ میرے نام سے ، پیچان تو گیا
گو رشک سے جلا تیرے قربان تو گیا
بیزم عدو میں صورت پروانہ دل مرا
ہوش و حواس و تاب و تواں ، داع ! جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں ، سامان تو گیا

مشق

- 1- مرزا داغ کی غزلوں کو ذہن میں لا کیں اور درج ذیل مصروع درست لفظ / الفاظ سے مکمل کریں۔
 i- پھرے راہ سے آتے آتے۔
- | | | |
|-----------|-------------|------------|
| ل۔ درمیاں | ب۔ وہ بیہاں | ج۔ ہم عنان |
|-----------|-------------|------------|
- ii- اب ہم بھی جانے والے ہیں تو گیا۔
- | | | |
|-----------|----------|----------|
| ل۔ میزبان | ب۔ مہمان | ج۔ سامان |
|-----------|----------|----------|
- iii- سنان گھر یہ کیوں نہ ہو تو گیا۔
- | | | |
|----------|----------|----------|
| ل۔ انسان | ب۔ سلطان | ج۔ مہمان |
|----------|----------|----------|
- 2- ”اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا“، میں سامان کا مفہوم زیادہ سے زیادہ تین سطروں میں لکھیں۔
 3- مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کریں۔
- س نہ جانا کہ دُنیا سے جاتا ہے کوئی
 بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
 نہیں سمجھیں اے داغ یاروں سے کہ دو
 کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے
 ڈرتا ہوں دیکھ کر دل بے آرزو کو میں
 سنان گھر یہ کیوں نہ ہو، مہمان تو گیا
- 4- مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کیوضاحت کریں۔

- دل بے آرزو، سنان گھر، افشاۓ راز، ناصبر، ہم عنان، اجل
 دونوں غزلوں کے قوانی بالترتیب لکھیں۔
- 5- نصابی غزلوں کے علاوہ داغ کی کوئی اور غزل اپنی ڈائری میں لکھیں۔

مومن خاں مومن

(1800ء-1852ء)

(1)

اڑ اس کو ، ذرا نہیں ہوتا رنج ، راحت فرا نہیں ہوتا
 ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم حرف ناصح مُرا نہیں ہوتا
 تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دُنیا میں کیا نہیں ہوتا
 تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
 حال دل یار کو لکھوں کیوں کر ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
 چارہ دل ، سوائے صبر نہیں سو ، تمہارے سوا نہیں ہوتا
 کیوں نے عرضِ مفترض ، مومن
 صنم آخر خدا نہیں ہوتا

(2)

پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
 منہ دیکھو دیکھو روتے ہیں ، کس بے کسی سے ہم
 انصاف کیجیے پوچھتے ہیں ، آپ ہی سے ہم
 شاہد شکا توں پر تیری مدی سے ہم
 کہتے تھے ان کو بر قی تمام بُنی سے ہم
 اور سوئے دشت بھاگتے ہیں ، کچھ ابھی سے ہم
 کیا گل کھلے گا ، دیکھیے ، ہے فصلِ گل تو ڈور

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
 مومن نہ ہوں ، جو ربطِ رحمیں بدعتی سے ہم

مشق

- 1- خالی جگہ پر کر کے مندرجہ ذیل اشعار مکمل کریں
- i- چارہ دل سوئے صبر نہیں نہیں ہوتا
- ii- اثر اس کو ذرا نہیں نہیں ہوتا راحت فرا نہیں نہیں ہوتا
- iii- خنانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم پر کیا کریں کہ ہو گئے جی سے ہم مختصر جواب دیں۔
- 2- مومن کی پہلی غزل کی روایت کیا ہے؟
- i- مومن کی دوسری غزل کے قوانین لکھیں۔
- ii- مومن کی پہلی غزل کا مطلع لکھیں۔
- iii- مومن کی دوسری غزل کا مقطع لکھیں۔
- iv- مومن کی دوسری غزل کا مقطع لکھیں۔
- 3- تشریع کیجیے۔
- i- تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں نہیں ہوتا
- ii- کیا گل کھلے گا ویکھیے ہے فصل گل تو دور اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم لکھیں۔
- 4- سوئے دشت۔ ناچار۔ ربط۔ راحت فرا۔ صنم۔
- 5- مومن کی کوئی اور غزل اپنی ڈائری میں لکھیں۔

حضرت مسیحی

(1875ء-1951ء)

(1)

اللہی ترک اُفت پر ، وہ کیوں کر یاد آتے ہیں
شراب بے خودی کے ، مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں
مگر جب یاد آتے ہیں ، تو اکثر یاد آتے ہیں

بجلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
نہ چھیرے ہم نہیں ! کیفیتِ صہبا کے افسانے
نہیں آتی تو یادِ آن کی ، مہینوں تک نہیں آتی

حقیقتِ کُمل گئی حَرَت ، ترے ترکِ محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی ، بڑھ کر یاد آتے ہیں

(2)

خُبِّ و مُنِ مُستِ خواب ، دیکھیے کب تک رہے
قُبْصَه حزم و تجَاب ، دیکھیے کب تک رہے
ضبط کی لوگوں میں تاب ، دیکھیے کب تک رہے
خلقِ خدا پر عذاب ، دیکھیے کب تک رہے

رسمِ جنا کامیاب ، دیکھیے کب تک رہے
دل پر رہا مددتوں ، غلبہ یاس و ہراس
تا پہ کجا ہوں دراز ، سلسلہ ہائے فریب
پردوہ اصلاح میں ، کوششِ تحریب کا

حَرَت آزاد پر ، جو رہ غلامان وقت
از رہِ بغض و عتاب ، دیکھیے کب تک رہے

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

i- دونوں غزلوں میں رویف کی نشان دہی کریں۔

ii- دونوں غزلوں میں کون کون سے قافیے استعمال ہوئے ہیں؟

iii- پہلی غزل کا مطلع لکھیں۔

2- درج ذیل اشعار میں اصطلاحی مفہوم کو ملاحظہ کرنے ہوئے درست اصطلاح پر (✓) کا نشان لگائیں:

i- بھلاتا لا کھوں لیکن برابر یاد آتے ہیں

البی ترک افت پروہ کیوں کریا د آتے ہیں

l- مطلع (ب) مقطع (ج) غزل کا پہلا شعر (د) مطلع ٹانی

ii- "رسم جفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے،" میں "دیکھیے کب تک رہے،" ہے۔

l- مطلع (ب) مقطع (ج) قافیہ (د) رویف

iii- "حضرت آزاد پر جو رغماں وقت" میں "حضرت" کیا ہے؟

l- قافیہ (ب) رویف (ج) تخلص (د) مقطع

3- مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کریں۔

چوتھا، ترک الفت، غالبہ یاس و ہراس، تحریب

4- مندرجہ ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کی تذکیرہ و تائیث واضح ہو جائے:

خواب، حجاب، خبر، جفا، حب

5- مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

۔ رسم جفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے

چوتھا وطن مت خواب دیکھیے کب تک رہے

دل پر رہا مددوں غلبہ یاس و ہراس

قبضہ حزم و حجاب دیکھیے کب تک رہے

6- حضرت موبانی کی کوئی اور غزل اپنی ڈائری میں لکھیں۔

(1)

جو بچے ہیں سگ ، سمیٹ لو ، تین داغ داغ لٹا دیا
وہ جو قرض رکھتے تھے جاں پر ، وہ حساب آج پکھا دیا
کہ غرورِ عشق کا بانگپن ، پس مرگ ہم نے بھلا دیا
جو کہا تو سن کے اڑا دیا ، جو لکھا تو پڑھ کے مٹا دیا
نہ گنواؤ ناوک نیم کش ، دل ریزہ ریزہ گنوادیا
مرے چارہ گر کو نوید ہو ، صبِ دشمناں کو خبر کرو
کرو کچ جبیں پر کفن ، مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
اُہر ایک حرف کے لکھنئی ، یہاں لاکھ غدر تھا گفتنی
جوڑ کے تو کوہ گراں تھے ہم ، جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رو بار ہم نے قدم قدم ، تجھے یادگار بنا دیا

(2)

صد شکر کے اپنی راتوں میں اب بھر کی کوئی رات نہیں
دل والو کوچھ جاناں میں کیا یہے بھی حالات نہیں
یہ جان تو آئی جانی ہے ، اس جاں کی تو کوئی بات نہیں
عاشق تو کسی کا نام نہیں ، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں ، کب بات میں تیرلیات نہیں
مشکل ہیں اگر حالات وہاں ، دل تھی آئیں جاں دے آئیں
جس دھچ سے کوئی مقتل میں گیا ، وہ شان سلامت رہتی ہے
میدان و فادر بار نہیں ، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو گا دو ڈر کیما
گر جیت گئے تو کیا کہنا ، ہمارے بھی تو بازی مات نہیں

مشق

درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔
ا۔ غزل نمبر ۱ میں ردیف ہے۔

ل۔ دیا ب۔ گنا ج۔ گنادیا د۔ گنا، لہا

ii۔ فیض احمد فیض کی وجہ شہرت ہے؟

ل۔ تنقید ب۔ مضمون نگاری ج۔ شاعری د۔ افسانہ نگاری

2۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کریں۔

نادک نیم کش، چارہ گر، غرور عشق کا بائکپن، کوہ گرائ، مقل۔

3۔ قافیہ اور ردیف کی تعریف لکھیں اور فیض احمد فیض کی غزلوں سے ایک ایک مثال لکھیں۔

4۔ مطلع اور مقطع کا فرق واضح کریں اور مثال بھی دیں۔

5۔ مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کریں۔

کرو کج جیں پہر کفن مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو

کہ غرور عشق کا بائکپن پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

جوڑ کے تو کوہ گرائ تھے ہم جو چلے تو جان سے گزر گئے

رو یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

جس دفع سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں

6۔ فیض احمد فیض کے کام کا مطالعہ کریں اور دو ایسے اشعار لکھیں جن میں تلحیح یا تثبیت موجود ہو۔

(1)

کچھ غلط بھی تو نہیں تھا ، مرا تنہا ہونا
آتش و آب کا مکن نہیں ، یک جا ہونا
ایک نعت بھی نہیں ، ایک قیامت بھی نہیں
روح کا جاگنا اور آنکھ کا ، بینا ہونا
جو برائی تھی مرے نام سے منسوب ہوئی
دوستو! کتنا مردا تھا مرا اچھا ہونا
مجھ کو آتا نہیں محروم تھا ہونا
قر دریا میں بھی آنکھی گی ، سورج کی کرن

شاعری روزِ ازل سے ہوئی تخلیق ، نہیں
شعر سے کم نہیں ، انسان کا پیدا ہونا

(2)

اُب تو کچھ اور نہیں ، اعجاز دکھایا جائے
شام کے بعد بھی سورج ، نہ بجھایا جائے
نئے انسان سے تعارف جو ہوا ، تو بولا
میں ہوں ستراط ، مجھے زہر پلایا جائے
موت سے کس کو مفر ہے ، مگر انسانوں کو
پہلے جینے کا سلیقہ ، تو سکھایا جائے
حُم ہے حُج بھی قرینے سے کہا جائے ، نہیں
زخم کو زخم نہیں ، پھول بتایا جائے

مشق

1۔ نیچے دیے گئے مصروف کو صحیح لفظ لگا کر مکمل کریں۔

i- کچھ غلط بھی تو نہیں تھامرا ہونا (تھا۔ پیدا)

ii- مجھ کو آتا نہیں محروم ہونا (تماشا۔ تمنا)

iii- قدر دیا میں بھی آنکھی گی کی کرن (سورج۔ تارے)

iv- شاعری روز اzel سے ہوئی نہیم (تعیر۔ تخلیق)

2۔ کالم الف اور کالم ب میں مطابقت قائم کیجیے اور جواب الگ کر کے لکھیں۔

کالم (الف) کالم (ب)

مطلع i- شاعری روز اzel سے ہوئی تخلیق نہیم

شعر سے کم نہیں انسان کا پیدا ہوتا

رویف ii- سمجھا۔ تھا۔ پینا

قطعہ iii- کچھ غلط بھی تو نہیں تھا میرا تھا ہوتا

آتش و آب کامکن نہیں سمجھا ہوتا

3۔ درج ذیل اشعار میں سے قافیہ اور رویف کی نشان دہی کریں۔

— اب تو کچھ اور ہی اعجاز دکھایا جائے

شام کے بعد بھی سورج نہ بجھایا جائے

موت سے کس کو مفر ہے مگر انسانوں کو

پہلے جیسے کا سلیقہ تو سکھایا جائے

4۔ دوسرا غزل میں "ستر اط" اصطلاح استعمال ہوا ہے۔ اس اصطلاح کا نام لکھیں اور اس کی وضاحت کریں۔

5۔ دونوں غزوں کے مقطع کی نشان دہی کریں۔

6۔ مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کریں۔

ایک نعمت بھی بھی ، ایک قیامت بھی بھی

روح کا جاگنا اور آنکھ کا بینا ہوتا

موت سے کس کو مفر ہے مگر انسانوں کو

پہلے جیسے کا سلیقہ تو سکھایا جائے

7۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کا معنیوم بیان کریں۔

قدر دیا، قیامت، ازل، اعجاز، آتش و آب

فرہنگ

نوٹ: الفاظ کے معانی بالعموم دیے گئے ہیں جو اساق کے متن سے مطابقت رکھتے ہیں

اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	حد سے تجاوز ہوتا	حد سے بڑھ جانا	سیر پیشی	قاطع، فیاضی، بے پرواہی
علم کیر	ذینماں پھیلا ہوا	گھری نظر	غائز نظر	جود
جود	بخش، فیاضی	کتاب دانی	کتاب کو سمجھنا	مسکنی۔ عاجزی
مسکن	ہم	برابر کے	حوالہ دیج ہونا	ابوالقاسم زہراوی
بیرت	طریز زندگی	استعداد	قبیلت	رتق انتی
رتق انتی	زندگی	وقتی	عقل کی تیزی۔ ذہانت۔	اپنی مدد آپ
آپنی مدد آپ	جودت	جودت	ہوئی، اوچی	آزمودہ
آزمودہ	تجربہ شدہ، آزمایا ہوا	لیاقت	جرح	پرشال
پرشال	کمل، ہائی کی گمراہی مضمون کرنے والا	بہم جشم	جلیل القدر	حاشا و کلا
حاشا و کلا	برنزنس	محب شاہزاد	عام فہم	نشاشی
نشاشی	پرہیزگاری	مخائزت	موہقا فیان	نظیر
نظیر	غموشہ، مثال	تابعقدور	دست گاہ	سرسید کے اخلاق و خصال
سرسید کے اخلاق و خصال	خوش	رام کر لینا	چہاں تک مکن ہو، جہاں	بهاش
بهاش	تعدد	تغیر کر لینا	دست گاہ	چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچنے والے
چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچنے والے	شاق گزنا	شاق گزنا	بساطی	چاگوار معلوم ہونا، برائنا
چاگوار معلوم ہونا، برائنا	راست بازی	چاقی	اوہ	کسی چیز کے ہونے کی
کسی چیز کے ہونے کی	تعاد	وابستگی	اکنی خود	اوہ کی کوئی جو جگہ میں
اوہ کی کوئی جو جگہ میں	موانت	تعلق، محبت	سرکی خلافت کے لیے	تلون
تلون	مختلف حالتوں میں ہونا،	اُس، محبت	استعمال ہوتی ہے	مراد ہے کہ رنگاری، مختلف
مراد ہے کہ رنگاری، مختلف	سر و حضر میں	فطری محبت	اوور کوٹ	اقسام کا ہوتا
اقسام کا ہوتا	پھل	سر و حضر میں	حالت میں بھی اور قیام کی	فواکہ
فواکہ	بنادث	سر و حضر میں	حالت میں بھی	خرماں خراماں
خرماں خراماں	نمیلہ ہوا	سزا و قیام میں، سفری	خوش پوش	حالت میں بھی

مکتباتِ اقبال

حرکات و مکنات	المحاذیف، پلنا جانا	غلطی	تصریر	ممان
استطاعت	ذکر اعیش	حال، احوال	سرگزشت	سیدیگی
تماش	ذکر کارہ، میش و آرام کا	رفتی	میش کا ذکر، میش و آرام کا	تو فیق
شان استغنا	باز کرہنا	مصر ہونا	تذکرہ	ڈھنگ، طرز، وضع
پُرسار	بار بار لفڑا کرنا	آدھائیش، آدھے میش	نصف العیش	بے نیازی، بے پروائی
غمودار ہونا	دکھ لکھیں	آلام	و آرام کے برابر	بھیوں سے بھرا ہوا، جس
معطف کرنا	چھپا ہوا	مطبوعہ	جو میرا آجائے اسی پر	میں کئی راز کی باتیں ہوں،
خلج	بیماری	عالت	صبر و شکر کر لینا	عجیب
سفارش	گرای نامہ، خط	والاتامہ	مدت	میعاد
رہن	ادب	لزوج	انجی بیک	ہنوز
ندامت	لاہور کا جغرافیہ	ستی	کافی	مبذول کرنا
ممنونیت	آغاز، ابتداء، مقدمہ	الملک اللہ والحمد اللہ	سلخت اور حکومت اللہ کے	گلسا رہا، بہت پُرانا
اعتراف کرنا	دلیل کی جمع،	تمہید	تمہید	بوسیدہ
کاکننا	دو کرنا	لے ہے	دلائل	شم سار، نادم
آٹکن	کمزور، ضعیف، سست	فاتر	رہائی	نجات
	کمزور، ضعیف، سست	رفع کرنا	درستی	اصلاح
	کمزور، ضعیف، سست	فرانہم ہونا	اکٹھا ہونا، ملنا	احسان مندی
	کمزور، ضعیف، سست	اویل الذکر	جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے	تو شے خانے میں
	کمزور، ضعیف، سست	تو شے خانے میں	پارچ خانہ، امیروں	مان جانا
	کمزور، ضعیف، سست	کالباس رکھنے کا کمر،	مؤخر الذکر	چراغ کی لو
	کمزور، ضعیف، سست	اہل سیف	کشیدہ ہونا، ملنا	سمن
	کمزور، ضعیف، سست	کرنے والے	سشور بھی مراد لیا جا سکتا ہے	گھبراہٹ ہونا
	کمزور، ضعیف، سست	پوری مہارت رکھنا	خیرت	بی اتنا
	کمزور، ضعیف، سست	پید طویل رکھنا	عائیت	چبوچھا یے بال
	کمزور، ضعیف، سست	چاروں طرفیں،	رگ سے خون نکلواہ	بے حدائیے بال
	کمزور، ضعیف، سست	چاروں طرفوں کے علاقوں	قدیم دو رکھنے والی دوا	کراہنا
	کمزور، ضعیف، سست	کی تفصیل	ہاتوان	کمزور، ضعیف
اماک	پھنس	یہار، علیل	صاحب فراش	ملک کی جمع، جائداد
	پھنس	یہاری	غارضہ	پھنس
	پھنس	بحث و تجسس	بحث و تجسس	پھنس

مکتباتِ غالب

مفرد عاصم	عام لوگوں کی بہتری، عوام	نادیدہ	شدیکھا ہوا، آن دیکھا	ماصل	خلاصہ، اپ باب
کافانکہ	پانی پانچنا، پانی سیا کرنا	اوندھا	مرغ بانی	آلٹا	مرغیاں پالنا
بہم رہانی آب	پانی پانچنا، پانی سیا کرنا	داشند	قٹولی	عقل مند	زندگی کا تاریک پہلو دیکھنے
تحفیت و متنقی	کھونج اور غور و نکلر	بیڑ تسہ پا	پیچھا نہ چھوڑنے والا	کھنخ وقت، جب یہ	والا، ما یوس، ہر طرح سے
رائے دہندگی	رائے دینا	دم تحریر	کھنخ وقت، جب یہ	زمیر	نامیدہ
کماٹہ	جیسا کہ ہے، جیسا کر	قوطیت	تحریر لکھی جاتی ہے	تحریر	زندگی کا تاریک پہلو ہی
دیباڑ	ہوتا چاہیے	اگریزی لفاظاً Thrill	تحریر	تحریر	دیکھنا، مایوسی، نامیدہ
دیباڑ	موہائی، ضخامت	بلاوجہ	جوش و جذبہ	نا حق	بلاوجہ
مزدوہ	خوش خبری	حتمد	شانگ روی	سادہ لوچی	سادگی
عینی، دیوار	بچھلی دیوار	نمٹا	بچھڑا، فساد	آن	محوزے پر بیٹھنے کا طریقہ
ملک نظر	اصل مقدمہ	خرط	حیلی، وہ حیل جس میں	مہادوت	ٹیل بان
دساوہ	نیز مالک، غیر ملک کی	سر کاری حکم جاتا ہے	داشت	داشت	دیکھ بھال
منڈی	بے غلن و غش	بے دریغ، اندر حادھنہ	پرداخت	پرداخت	پروش، دست گیری
صاحب	ساتھی	محنت و تکلیف کے بغیر	جنی	جنی	فتری
جور و سنا	حکاوات، فیاضی	امان	پناہ	حرثیزی	صحیح سیرے خندے سے جاگ
فرودش ہوتا	اقیام کرنا، رہائش پذیر ہونا، اجہال	اجہال	انحصار، مختصر ساز کر	خانہ	جاتا
خہبہنا	اور آنا گھر میں مرغیوں کا	درستی سے	خنثی سے، خخت لبھ میں	خون بدلنا، مرنے کے بعد	آدا گون
خہبہنا	خون بدلنا، مرنے کے بعد	راجح عقیدہ	پخت عقیدہ، پکا لیتین	ورود و نزول	وارد ہونا، پہنچانا۔ آمد
روح کا کسی دوسرا جسم	قربانی	ایمار	ناقابلی تردید	پھوہڑ	جسے روند کیا جاسکے
میں آجانا	چھے کوئی تیز نہ ہو، بے سلقد	از را و تلفظ	آلام دینی	با لکل نہ ہونا	دنیا کے دکھ، دنیا کی تکالیف
خرفے	بکھیرے، جھڑے، پریشانیاں	شم برثت	آدھا تلا ہوا، پوری	خлот	حمد
دھرتی	کیا واقعی دنیا گول ہے	زمن	طرح نہ تلا ہوا،	جلوت	ختمی
دھرتی کا گز بنا	بہت زیادہ سفر میں رہنا	رو و قدح	بحث مباحثہ، بحث رار	(Half Boiled)	خлот کا مختار، تہائی نہ
	ہوتا، سر عام ہوتا				

نیا	چھپا ہوا، پوشیدہ	تیر کی قسم کا ایک	تیہو	تیہو	ستقبل کی جھلک
عیاں	ظاہر	چھپنا ساپرنده	کوکب	کوکب کی جن، ستارے	کے عوض
محمود	راز سے واقف	مہور	ٹاؤس	ہدایت میں کی جائے	ستارے
رازادان	راز جانے والا	درزاں	تیر	امم	زیادہ
لغت		رخندہ تر	چکور	کب	زیادہ چکنے والے، زیادہ
گریزان	گریز کرنے والا،	مرغان خوش نوا	اچھی آواز والے پرندے،	روشن	روشن
صداقت	دور رہنے والا	اجھی آواز میں چھپھانے	دین میں	دین میں تین	سبحیدہ دین، مضبوط دین،
ائکوں	سچائی	والے پرندے			مراد ہے "اسلام"
دبر	نہماں، دنیا	درختوں کے گرد پانی دینے	استھار	تحالے	نوآبادیاں قائم کرنا، ہوس
مرقت	رواداری، حافظ	کے لیے بنائے ہوئے کم			گیری کے جذبے سے
وابستہ دامان	داسن سے وابستہ، داسن	گھرائی کے گڑھے			دوسرے آزاد ممالک کو
		خل	درخت	تھاے ہوئے	غلام بنا
		سند	نوکری، نوکرا	تسلیم درضا	جگ کا گھر، دارالحرب اس
		گھر ہائے آب دار، چک دار موتی			ملک کو کہتے چہاں کافروں
فتر	دروشی	بالائے خل	درخت پر		کی حکومت ہو سلانوں کو
افلاس	غربت، غری	خواہاں	چاہنے والے		نہایت فرائض کی ادائیگی
اوبار	بدنی، بخوبت، مغلی				سے روکا چارہا ہوا دراس
جبال	مصیبت، آفت				جنپر وہاں جہاد کا حکم ہو،
عامم	کیفیت				شاعر نے آزادی کے قبل
	خوش				کے ہندوستان کو دارالحرب
					کہا ہے
زنگاری	سنج	نڑو ہے			
گوہر بکتا	بے مثال جواہر	علی العجم	عمونا		زمیدان کر بلائیں صبح کا منظر
جوہر نگار	سویتوں کی طرح خوب	ربت علی	الله تعالیٰ		
		تریف، ہجر			
		مدح			
					صورت

اپسٹریکٹ آرٹ	امیر آدی	منم	برسات	نیل قام
محض ناظری ناظر میں	از راہ مردست	بڑھ کر	نیلے رنگ کی	نیل قام
ستاش	تعریف	آبا	مسکراتا ہوا، کھلا ہوا	خداں
اطفال	طفل کی جمع، پچھے	نسبت	ہلال استقلال	
قطعات	بولنا، مراد ہے "باتیں ہی"	گتار	معبوٹی، پائیڈاری	استحکام
مقرر	باتیں"	اعمل	انقل	اگفت
فرمان	کردار	کردار	عکس	پرو
حکم	ثابت	ایک ہی مقام پر رکا ہوا	خوشخبری	نوید
قانون	شرع	سیارا	جنہذا	علم
لوکل بس	اسلاف	بابا دادا، پچھلے بزرگ	سخاوت کا بادل، بہت	صحابہ نبود
پکڑا ہوا پرندہ	آنین ستم	مرغ گرفتار	زیادہ سخاوت	
پھولوں کے سے بدن والا،	اصول	مانا ہوا اصول ملے شدہ		
گل بدن	یغام			
نازک بدن	واقف			
وحدانیت	آشنا			
وحدانیت	آسان			
وحدانیت	بارش	باراں	گود	اغوش
وحدانیت	راہی، مسافر	رہرو	تمدن پیدا کرنے والا یعنی	تمدن آفرین
مراد ہے "اللہ تعالیٰ کا واحد	ڈر، خوف	امدیریہ	دینا کوئندیب سے	
اور لاثریک ہونا،"	کیتا	ناخدا	آشنا کرنے والا	
اکیلا، بے نظر	کشی کہنے والا، ملاح	سلوت	پیدا کرنے والا، بنانے والا	غلاق
کجا وہ، ایک خاص تمہری	ذوقی جوسواری کے لیے	خمار	حکومت کرنا	جہاں داری
شاہن و شوکت	اوٹ پرانے والے، اوٹ	ساعت		
پرده پوشی کرنے والا	گھری	باظل		
چانے والے، عرب لوگ	مراد ہیں			
گناہ	امیری			
غزل - میر	غاشاک			
کوڑا کرکٹ	غیر اہ			
اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی اللہ	مند جانا			
تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے	واہونا			
کھلانا				

غیار	معانی	غزل - مومن	چارہ گر	موت	طريق، جلن
شش بہت	چھے طرفین، مراد ہے	راحت فرا	پس مرگ	راحت کو جنم دینے والا، مارے جانے کے قابل	چھے طرفین
	ساری دنیا۔ چھے طرفین	راحت کا سبب بننے والا	لکھنی		
	اس طرح نہیں ہیں: داکیں،	حضرت	بے چن، بے قرار	گفتی	بات جو کہنے کے قابل ہو
	باکیں، آگے، پیچے، اور پر، پیچے	غزل - مومن	مقابل	غزل - فیض	
دوچار ہوتا	ملاقات ہوتا، آمنا سامنا	قربان گاہ	تاقار	محبوب، بے پس	مغل
	ہوتا	جداں	بھر	بہار کا موس	صلی
غم	کوئی بالکل نی بات ہو جانا	غزل - احمد ندیم قاسمی	گل لکھنا	آگ اور پانی	غزل - آتش
	نہ ہوتا، مراد ہے "دوسرا	سوئے دشت	جلکل کی طرف	آتش و آب	دیکھنے والا
	دنیا جہاں مرنے کے بعد	رطب	تلخ، میل جول	پینا	بدعنی
	جانا ہے"	بدعنی	بدعت کرنے والا، دین	قر دریا	دریا کی گہرائی
کوچ	سفر، روانگی	روز ازل سے	میں کوئی نی بات نکالنے	والا، خدا دی، ظالم	ہوتی
	ہوتا، مراد ہے "زندگی"	سے			
بردقا	رہبر، رہنماء	غزل - حسرت	ہم نیس	دوسٹ	الله تعالیٰ کی مہربانی
	حبابیت پروردگار	اعجاز	مجزہ	ترک الفت	محبت کو فرم کرنا
	جائے فرار، چارہ کار	مفر			حقیقت کھل گئی
غم	اصلیت سانے آگئی				اصلیت سانے آگئی
غزل - آتش					
اخوب ہوا	اچھا ہی ہوا	غزل - حسرت	ضبط	برداشت	کیفیت
			کور	قلم، تم، بخشی	پذیبی
			بعض	کینہ، حسد، دشمنی	برگشت طالی
اغلب	آسان کام نہیں	غزل - داغ	حرم	احتیاط، دوراندشی	داغ
غمیں محیل	کوئی کھیل نہیں، کوئی				
غاطر	لحاظ، پاسداری				
تاب و توہاں	طاقت، حوصلہ، صبر و تحمل	غزل - فیض	ناوک شہم اش	ادھ کیچھا تیر	

340590



پنجاب کریکٹ بک یورڈ مظہور شدہ نصاب کے مطابق معیاری اور سستی کتب پہنچاتا ہے۔ اگر ان کتب میں کوئی تصور وضاحت طلب ہو، متن اور املاع وغیرہ میں کوئی غلطی ہو تو گزارش ہے کہ اپنی آراء سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہو گا۔

پنجاب ڈائریکٹر
پنجاب کریکٹ بک یورڈ
21-اے-II، گلبرگ-III، لاہور۔



042-99230679

chairman@ptb.gop.pk

www.ptb.gop.pk

لائن نمبر:

ای سیل:

ویب سائٹ:



بنگاب کراں کم اینڈ شیکسٹ بانک بورڈ، لاہور